عرض مؤلف

اور

وجہ تالیف

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں امت مسلمہ کی وسیع ترین، قوی ترین اور مفید ترین دعوت تبلیغی جماعت کی دعوت ہے۔ جس کا دائرہ اثر اس وقت بلا مبالغہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک عمل کی تجدید حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے فرمائی۔ جن کی فکر، کڑھن اور بے چینی و بے کلی آج بھی ہزاروں لاکھوں سینوں کو مضطرب کیے ہوئے ہے۔ اور الحمدللہ آج اس فکر کو وظیفہ حیات بنا کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے بستی بستی اور نگر نگر پھر کر احیاءِ دین میں مصروف ہیں۔

اس مبارک جماعت سے راقم الحروف کی وابستگی سن شعور میں قدم رکھنے سے بھی پہلے کی ہے۔ بقول شاعر:

أتاني هواها قبل أن أعرف الهوىٰ
فصادف قلباً خالياً فتمكنا

یہی عقیدت اور تعلق علمِ دین کے حصول کا سبب بنی۔ الحمدللہ یہ وابستگی اور عقیدت آج پہلے سے زیادہ اور شعوری و اختیاری بن چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ تادمِ مرگ اس مبارک محنت کے ساتھ جڑے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

راقم کا دورۂ حدیث اور بعد ازاں تخصص فی الفقہ سے فراغت کے بعد تبلیغی

محنت کے سلسلے میں اندرون ملک سال کا سفر ہوا اور اس کے بعد تا حال بیرون ممالک کے دو سفر ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ دورانِ طالب علمی بھی سالانہ چھٹیوں میں ہر سال کم وبیش اوقات لگانے کا موقع ملتا رہا۔اس دوران بہت سی ایسی روایات سننے سنانے میں آتی رہتیں جو معروف اور متداول کتب حدیث میں موجود نہ ہوتیں، نہ ہی طالب علم یا استاد کی حیثیت سے دورانِ مطالعہ کبھی نظر سے گزری ہوتیں۔بعض اوقات جماعت کے کسی ساتھی کی طرف سے کسی روایت کے بارے میں پوچھا جاتا کہ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ تو اگر اس بارے میں علم ہوتا تو بتا دیتا ورنہ لاعلمی کا اظہار کر دیتا۔لیکن دل میں اس روایت کے بارے میں تحقیق کرنے کی خواہش اور ارادہ ضرور پیدا ہوتا۔ رفتہ رفتہ یہ خواہش دل میں جڑ پکڑتی گئی کہ ان روایات کو جمع کیا جائے جو بیانات اور مواعظ میں تو مشہور ہیں لیکن ان کی نسبت حضور ﷺ کی طرف درست نہیں ہے۔چنانچہ اللہ کا نام لے کر ایسی روایات کو جمع کرنا شروع کیا جن کا مجموعہ اب کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مجھے اپنی کوتاہ فہمی اور یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہو رہی کہ میں تحقیق وتصنیف کے میدان میں نو وارد، اس کے نشیب وفراز سے کوسوں دور اور اس کے لیے مطلوب صلاحیتوں سے بالکل تہی دامن ہوں۔لیکن تبلیغ وافتاء وتدریس سے بیک وقت وابستگی کی وجہ سے اس تالیف کی شدید ضرورت محسوس ہوتی رہی اور ضرورت کے اس احساس نے قلم اٹھانے اور جیسا کیسا لکھنے پر آمادہ کیا۔لہذا اگر اس کتاب میں کوئی نقص وخامی نظر آئے (جو کہ یقینا موجود ہوں گی) تو اس کو ایک طالب علمانہ کاوش سمجھتے ہوئے ضرورت اصلاح فرمائیں، بندہ آپ کا ممنون ہوگا۔

نیز جن ساتھیوں نے اس کتاب میں جس حیثیت سے بھی معاونت اور رہنمائی کی، اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق ان کو دنیا وآخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائے۔آمین

صداقت علی

یکم محرم الحرام، ۱۴۳۷ھ

کتاب کے بارے میں چند وضاحتیں

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران مندرجہ ذیل باتیں ذہن نشین رہنی چاہیے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور کل چھ ابواب اور ان کی ذیلی فصول پر مشتمل ہے۔ جن میں پہلے باب میں حدیثِ موضوع کی تعریف، اس کا حکم اور حدیث گھڑنے کے اسباب ذکر کیے گئے ہیں۔ باقی پانچ ابواب میں کل پچپن ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں جن کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف درست نہیں۔

اس کتاب میں درج احادیث کے نمبر شمار میں موضوع روایات پر ''حدیث'' کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اصطلاحی معنی یعنی حدیثِ نبوی کے اعتبار سے لفظِ حدیث کا اطلاق نہیں کیا گیا۔

احادیث پر موضوع اور من گھڑت ہونے کا حکم لگانے کے لیے محتاط اور معتدل ائمہ حدیث کے اقوال اور کتب کا سہارا لیا گیا ہے۔ مثلا حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ سخاویؒ، علامہ سیوطیؒ، حافظ عجلونیؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ۔ اپنی ذاتی رائے یا ذاتی تحقیق سے کلی طور پر اجتناب کیا گیا ہے۔ یعنی اس کتاب میں مصنف کی حیثیت محقق کی نہیں بلکہ محض ناقل کی ہے۔

جو ائمہ حدیث، احادیث پر حکم لگانے میں متشدد مشہور ہیں، ان کے اقوال کی بنیاد پر کسی حدیث پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ بلکہ ایسے حضرات کے اقوال کو بعض مقامات پر محض تائیدی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں احادیث کو استقرائی طور پر جمع کیا گیا ہے یعنی جو موضوع

روایات میرے سننے میں آئیں ، ان کو جمع کیا گیا ہے ۔ممکن ہے کہ بہت سی ایسی موضوع روایات مزید بھی موجود ہوں جو مواعظ میں عام ہیں لیکن اس کتاب میں ذکر نہ کی گئی ہوں۔

اس کتاب میں جن روایات کو موضوع کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایات آپ ﷺ کی فرمودہ نہیں ہیں، مطلق ثبوت کی نفی نہیں کی گئی ہے ۔یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بزرگ کا مقولہ ہو جیسا کہ کئی مقامات پر اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مقدمہ

سندحدیث

فضائل میں ضعیف احادیث

ضعیف احادیث بیان کرنے کے جواز کی شرائط

''سندحدیث'' اسلام کا تمغہ امتیاز:۔

دین اسلام ،اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطا کردہ وہ مذہب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اپنا پسندیدہ دین اور اپنی رضا مندی کا باعث قرار دیا ہے۔اور دین اسلام پر گزشتہ شریعتوں کے برعکس کبھی بھی خط تنسیخ نہ کھینچنے کا وعدہ کیا ہے۔اس دین کی ابدیت اور اس کو صحیح اور حقیقی شکل میں محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر وہ تمام اسباب پیدا فرمائے ،جن کی بدولت کسی بھی دور میں آنے والا مسلمان باآسانی خیرالقرون کے دین تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔

والحمداللہ علی ذلک!

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"وأیم اللہ لقد ترکتکم علی مثل البیضاء لیلها و نهارها سوائ۔"(۱)

ترجمہ:اللہ کی قسم!میں تمہیں ایسی واضح اور اجلی شریعت پر چھوڑ رہا ہوں جس کی رات اور جس کا دن ایک جیسے ہیں۔

اللہ تعالی نے اس امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ،جنہوں نے قرآن کے ساتھ صاحبِ قرآن ﷺ کی حیات طیبہ کے ایک ایک گوشے کی حفاظت کی اور آپ ﷺ کی احادیث کو محفوظ کر کے اسے نسل در نسل آگے منتقل کیا اور اس عظیم مقصد کے لیے حیران کن اور ناقابل یقین قربانیاں دیں۔اس طرح حدیث کی سند میں حضور

---

(۱) سنن ابن ماجہ: ۲

ﷺ تک پہنچانے والے ہر واسطے کی چھان بین کرتے ہوئے لاکھوں آدمیوں کی زندگی کے حالات قلم بند کیے۔ **فجزاھم اللہ تعالی خیراً**

علمِ حدیث میں سندِ حدیث کی اہمیت، اس فن کے کسی بھی طالب علم پر مخفی نہیں ہے، سندِ حدیث کی حفاظت کو علماء دین نے اس امت کا خاصہ، اس کی کرامت اور امتیازی شرف قرار دیا ہے، جس میں کوئی دوسری امت اس کے ساتھ شریک نہیں۔

چنانچہ علامہ عبد الحئیؒ لکھنویؒ متعدد ائمہ حدیث ورجال مثلاً امام احمدؒ، امام حاکمؒ، ابوحاتم رازیؒ، ملاعلی قاریؒ اور دیگر علماء حدیث کے اقوال کی روشنی میں لکھتے ہیں
:

> **"الإسناد مطلوب في الدين، قد رغبت إليه ائمة الشرع المتين وجعلوه من خصائص أمة سيد المرسلين ﷺ۔ (۱)**
>
> یعنی اسناد دین میں مطلوب ومرغوب چیز ہے اور علماء دین نے اسناد کو نبی کریم ﷺ کی امت کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔

حدیث کی سند کی بدولت ائمہ حدیث نے ذخیرہ احادیث میں چھان بین کرکے ان روایات کی نشاندہی کی ہے، جن کو اسنادی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کہنا درست نہیں، نیز صحیح اور ضعیف کی وضاحت کرکے ہر حدیث کا درجہ متعین کر دیا ہے، چنانچہ عقائد، احکام، حلال وحرام کا مدار ان احادیث کو قرار دیا گیا ہے جن کی سند قوی ہے، جب کہ ترغیب وترہیب اور فضائل ومواعظ میں سنداً ضعیف روایات کو بھی (چند شرائط کے ساتھ، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) بیان

کرنے کی اجازت

---

(۱)الأجوبة الفاضلة، مجموعة رسائل لكهنوی علیہ الرحمۃ: ۴/۴

دی گئی ہے، تاہم موضوع یعنی من گھڑت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب روایات کو بیان کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:۔

''ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية سوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلک كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لا تعلق له بالعقائد والأحكام"(۱)

یعنی محدثین کے ہاں ضعیف احادیث کی سند میں تساہل برتنا اور ان کے ضعف کی وضاحت کیے بغیر ان احادیث کو بیان کرنا اور ان پر عمل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ احادیث موضوع یعنی من گھڑت نہ ہوں اور عقائد واحکام یعنی حلال وحرام سے متعلق نہ ہوں، بلکہ اعمال کے فضائل اور مواعظ وغیرہ سے متعلق ہوں۔

فضائل میں ضعیف احادیث بیان کرنے کا حکم:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال کے فضائل اور ترغیبی امور میں ضعیف احادیث کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے، اور راویوں کے احوال اور سند کی تحقیق میں تساہل سے کام لیتے ہوئے اس کے ضعف کو بیان کیے بغیر حدیث روایت کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ علمِ حدیث کے امام حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ

سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قال عبد الرحمن بن مهدي :إذارويناعن النبي ﷺ في الحلال والحرام والأحكام،شددنا فيالأسانيد وانتقدنافيالرجال وإذاروينافي الفضائل والثواب والعقاب،سهلنافي الأسانيدوتسامحنافي الرجال۔"(۱)

یعنی جب ہم رسول اللہ ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کی روایات بیان کرتے ہیں،تو ہم ان روایات کی سندوں کی پوری تحقیق اور ان کے راویوں کی پوری چھان بین کرتے ہیں،لیکن جب ہم فضائل اور ثواب وعقاب کی روایات ذکر کرتے ہیں،تو ہم ان کی سندوں اور ان کے راویوں میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔

اسی طرح گزشتہ سطور میں علامہ سیوطیؒ کی کتاب تدریب الراوی کی عبارت ذکر کی گئی ہے،جس میں ضعیف احادیث کو بیان کرنے میں تساہل سے کام لینے کوائمہ حدیث کا مذہب کہا گیا ہے۔

فضائل اور احکام میں حدیث روایت کرنے کے بارے میں ائمہ حدیث کے اس معتدل مذہب سے ہٹ کر موجودہ دور میں افراط وتفریط پر مبنی دومختلف اور متضاد طرزِعمل پائے جاتے ہیں، چنانچہ ایک طرف افراط اور تشدد پر مبنی رائے کے حامل وہ مکاتبِ فکر ہیں،جنہوں نے ضعیف احادیث کوموضوع اور من گھڑت روایات

---

(۱)تقریب النووی: ۱/۱۶۲

کے

قریب کر دیا ہے اور پورے ذخیرہ حدیث کو صحیح اور ضعیف میں تقسیم کر کے ضعیف

---

(۱)مقدمة فتح الملهم: ۱/۲۴، دار إحياء التراث العربي

احادیث کو عملاً معطل کر کے رکھ دیا ہے اور فضائل اعمال کی بیشتر کتب کو محض اس وجہ سے اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے کہ ان میں ضعیف روایات مذکور ہیں۔

ضعیف روایات کے بارے میں یہ طرز عمل بالکل درست نہیں، بلکہ ائمہ حدیث اور سلف کے طرز عمل کے خلاف ہے، اعمال کے فضائل میں ضعیف احادیث کو روایت کرنے اور ان پر عمل کرنے کو تقریباً تمام ائمہ حدیث نے جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں:۔

"قد ورد عن غير واحد من السلف أنه لا يجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل و التحريم إلا عمن كان بريئًا من التهمة، بعيداً من الظنة، وأما أحاديث الترغيب و المواعظ و نحو ذلك فإنه يجوز كتابتها عن سائر المشائخ"(۱)

ترجمہ: متعدد سلف سے یہ منقول ہے کہ جو احادیث حلال وحرام سے متعلق ہوں، وہ صرف انہی حضرات سے نقل کی جاسکتی ہیں، جو ہر قسم کی تہمت وغیرہ سے بری ہوں، جب کہ ترغیب اور مواعظ وغیرہ کی احادیث تمام مشائخ سے روایت کی جاسکتی ہیں۔

نیز متعدد ائمہ حدیث سے صراحتاً منقول ہے کہ فضائل و مواعظ میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

(١)الكفاية في أصول السماع والرواية،باب التشدد في أحاديث الأحكام والتجوز في فضائل الأعمال:٣٣

چنانچہ مندرجہ ذیل چندائمہ حدیث کی تصریحات کے حوالہ جات ملاحظہ ہو:۔

(١)امام عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ،تدریب الراوی: ١٦٢/١

(٢)امام سفیان بن عیینہؒ،الکفایہ في أصول السماع والروایۃ،خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ:ص ٢١٢

(٣)امام سفیان ثوری علیہ الرحمۃ،الکفایۃفي أصول السماع والروایۃ،خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ:ص ٢١٢

(٤)امام احمد بن حنبلؒ،تدریب الراوی: ١٦٢/١

(٥)حافظ ابن حجرؒ،مقاصد الحدیث: ١٣٨/٢

(٦)شیخ الإسلام حافظ ابن تیمیہؒ،مجموع الفتاوی: ٢٥٠/١

(٧)امام یحییٰ بن سعید قطانؒ،تحقیق المقال في تخریج أحادیث فضائل الأعمال:ص ١١١ بحوالہ المدخل الصغیر

(٨)امام عبدالرحمن بن مہدی علیہ الرحمۃ،علوم الحدیث لابن الصلاح:ص ١٠٣

(٩)امام یحیی بن شرف نوویؒ،التقریب النووي علیہ الرحمۃ: ١٦٢/١

(١٠)حافظ جلال الدین سیوطیؒ،تدریب الراوی: ١٦٢/١

(١١)ملا علی قاریؒ،مرقاۃ المفاتیح: ٣٨١/٢،الحظ الأوفر في الحج الأکبر:ص ١٤٩

ان تمام ائمہ حدیث اور اساطینِ علم حدیث کا یہی مذہب مندرجہ بالا حوالہ جات میں ذکر کیا گیا ہے کہ فضائل میں ضعیف احادیث کو بیان کرنا نیز اُن پر عمل کرنا

جائز ہے، بلکہ ملاعلی قاریؒ نے تو فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کرنے کے بارے میں علماءِ حدیث کا اتفاق نقل کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"والضعيف يعمل به في فضائل الأعمال اتفاقاً۔"(۱)

لہذا ضعیف احادیث کو یکسر نا قابل بیان یا نا قابل عمل قرار دینا، نیز فضائل کی کتابوں پر

---

(۱) الموضوعات الکبری، رقم:۸۲۸، ص ۲۰۹

(ضعیف احادیث ذکر کرنے کی وجہ سے) اعتراضات کرنا قطعاً درست نہیں، بلکہ یہ جمہور کے طریقے اور منہج سے ہٹ کر ایک غیر ضروری تشدد اور افراط پر مبنی طرز عمل ہے۔

دوسری طرف اس پہلی رائے کے بالکل برعکس وہ حضرات ہیں جو فضائل کے عنوان کے تحت بیان کی جانے والی روایات میں کسی قسم کی تحقیق کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے اور ہر نوع کی ضعیف احادیث کو بلا کسی تحقیق کے بیان کر دیتے ہیں، جبکہ بسا اوقات تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ایسی بہت ساری روایات کو علماء حدیث نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے (جیسا کہ آئندہ صفحات میں ایسی بہت سی روایات ذکر کی گئی ہیں) یا بعض اوقات کسی ضعیف حدیث میں اس قدر شدید ضعف ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اُس حدیث کو بیان کرنا جائز نہیں ہوتا، لہذا اس قدر تساہل کو بھی بلا شبہ تفریط کی حدود میں داخل ہو جانے کی وجہ سے درست نہیں کہا جا سکتا۔

صحیح اور مبنی بر اعتدال مذہب یہ ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں صرف وہ روایات بیان کی جا سکتی ہیں، جن میں مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں۔

ضعیف احادیث بیان کرنے کی شرائط:

(۱) حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، مثلاً کوئی حدیث تنہا ایک ایسا راوی روایت کرے، جو کذاب ہو یا متہم بالکذب ہو۔

(۲) حدیث کا مضمون شریعت کے ثابت شدہ اصول میں سے کسی اصل کے تحت داخل ہو۔

(۳) اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا یقین نہ ہو بلکہ احتیاط

کا لحاظ ہو، تا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط نسبت نہ ہو۔(۱)

لہذا اس کتاب میں اُن احادیث کی نشاندہی کی گئی ہے، جو کہ فضائل ومواعظ کے حلقوں میں بکثرت بیان کی جاتی ہیں، حالانکہ وہ ضعیف احادیث کی مندرجہ بالا شرائط پر پوری نہیں اترتی، بلکہ موضوع کی حد میں داخل ہو کر نا قابل عمل و نا قابل روایت ہو جاتی ہے۔ اُن احادیث کو ذکر کرنے سے پہلے اُن کی مناسبت سے حدیثِ موضوع کی تعریف اور اس کی علامات وغیرہ کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے

---

(۱) درس ترمذی: ۱۰۹/۳، بحوالہ تدریب الراوی اور القول البدیع

باب اول

حدیث موضوع

حدیث موضوع کی تعریف

حدیث موضوع کی علامات

موضوع احادیث کو روایت کرنے کا حکم

باب اول

حدیث موضوع

(فصل ۱) حدیث موضوع کی تعریف:

حدیث موضوع اس حدیث کو کہا جاتا ہے، جو آپ ﷺ سے کسی درجہ میں بھی ثابت نہ ہو، بلکہ خود ساختہ اور من گھڑت ہو۔ اکثر علماءِ علمِ حدیث نے حدیثِ موضوع کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ سے کی ہے:

"الحديث المختلق الموضوع المكذوب على رسول الله ﷺ عمداً أو خطاءً"۔ (۱)

ترجمہ: حدیثِ موضوع اُس حدیث کو کہا جاتا ہے جو من گھڑت اور خود ساختہ ہو اور جان بوجھ کر یا غلطی سے آپ ﷺ کی طرف اس کی جھوٹی

نسبت کی گئی ہو۔

---

(۱) ملاحظہ ہو، تدریب الراوی: ۱/۳۲۳

علوم الحدیث لابن الصلاح: ص ۸۹

فتح المغیث بشرح ألفیة العراقي، ۱/۳۱۰

(فصل ۲) حدیثِ موضوع کی علامات:

اللہ جل جلالہ نے رسول اللہ ﷺ کو جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں اور بلاشک وشبہ آپ ﷺ تمام عالم عرب میں سب سے زیادہ فصیح اللسان اور بلیغ کلام کے مالک تھے۔اس بدرجہ اتم فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے کلام کو وحی کی حیثیت بھی حاصل تھی، اس لیے آپ ﷺ کی واقعی بیان کردہ احادیث اور آپ ﷺ کی طرف منسوب دیگر لوگوں کی من گھڑت روایات میں محض ظاہری الفاظ کے اعتبار سے بھی زمین وآسمان کا فرق موجود ہے۔جس کی وجہ سے علمِ حدیث کے ماہرین اور محققین کو سند کی تحقیق کے بغیر بھی محض ظاہری الفاظ سے ہی حدیث اور غیر حدیث کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن القیمؒ سے کسی نے سوال پوچھا، کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی حدیث کی سند دیکھے بغیر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ حدیث موضوع ہے؟ تواس کے جواب

میں علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا:۔

”فهذا سؤال عظيم القدر، وإنما يعرف ذلک من تضلع في معرفة السنن الصحيحة، واختلطت بلحمه ودمه، وصار له فيهاملكة، وصارله إختصاص شديد بمعرفةالسنن والآثار، ومعرفة سيرة رسول الله ﷺ وهديه، فيماىأمر به وينهى عنه... بحيث كأنه مخالط للرسول ﷺ كواحد من أصحابه“۔(۱)

---

(۱)المنار المنيف: ص ۴۴

یعنی بغیر سند کے حدیث کی اس طرح کی معرفت صرف اس شخص کے لیے ممکن ہے کہ فنِ حدیث جس کا اوڑھنا بچھونا ہو، اور علمِ حدیث اس کے رگ وپے میں سرایت کر چکا ہو۔قدم قدم پر حضور ﷺ کی سیرت واقوال
کی تلاش اور زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے میں گویا وہ
شخص آپ ﷺ کے صحابہؓ کی مانند ہو چکا ہو(تو ایسا شخص بغیر کسی تحقیق کے حدیث اور غیر حدیث میں تمیز کر سکتا ہے۔)

اس کے علاوہ ائمہ حدیث نے راویوں کی تحقیق اور سند کی تفتیش سے قطع نظر کچھ ایسے قرائن اور چند علامات مقرر کی ہیں، جن کی وجہ سے حدیث کے موضوع اور غیر موضوع ہونے کو بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے تقریباً انیس

ضابطے مقرر کیے ہیں، جن کی بنیاد پر حدیثِ موضوع کی پہچان کی جاسکتی ہے۔

مثلاً کوئی حدیث ایسی ہو جو کہ انبیاء کرام کے کلام کے مشابہ اور ان کی شان کے لائق ہی نہ ہو، تو ایسی حدیث سید الانبیاء ﷺ کا کلام کیونکر ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ایک موضوع حدیث ہے:۔

"النظر إلى الوجه الحسن يجلو البصر"۔

ترجمہ: حسین چہرے کو دیکھنے سے نظر تیز ہوتی ہے۔

یا کوئی حدیث ایسی ہو، جس کے الفاظ ہی ایسے رکیک ہوں، جن سے فوراً پتہ چل جاتا ہو کہ یہ آپ ﷺ کی حدیث نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے ارشادات تو جوامع الکلم ہیں۔

یا کوئی حدیث ایسی ہو، جو قرآن کریم کی صریح آیات کے مخالف ہو یا سنت متواترہ کے مخالف ہو۔(۱)

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے حدیث کے موضوع ہونے کے چند قواعد ذکر کیے ہیں۔(۲)

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے علامہ ابن الجوزیؒ کے حوالے سے حدیث موضوع کی مختصر، مگر جامع پہچان اور علامت ذکر کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"إذا رأيت الحديث يباين المعقول أو يخالف المنقول أو يناقض الأصول، فاعلم أنه موضوع"۔(۳)

یعنی جب کوئی حدیث عقل یا نقل کے خلاف ہو یا اصول کے مخالف ہو۔(اصول کے مخالف ہونے کی تشریح خود علامہ سیوطیؒ نے ہی کی ہے

کہ اصول کے مخالف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث، مشہور کتبِ حدیث اور مسانید وغیرہ سے خارج ہو) تو جان لو کہ وہ حدیث موضوع ہے۔

تاہم یہ واضح رہے کہ ان اصول وعلامات کے باوجود کسی حدیث پر ضعف یا موضوع ہونے کا حکم لگانا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ انتہائی مشکل اور بہت نازک کام ہے، جس کے لیے علم حدیث میں انتہائی وسیع اور عمیق نظر کی ضرورت ہے۔

---

(۱) ان ضوابط کی مزید تفصیل اور ان کی مثالوں کے لیے ملاحظہ کریں: المنار المنیف ، ص ۴۳ تا ۱۰۶ ، فصل ۵ تا فصل ۲۶

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: الموضوعات الکبریٰ: از ص ۲۹۸ تا ۳۳۵

(۳) تدریب الراوي: ص ۲۷۴

پانچویں صدی ہجری کے بہت سے محققین اور علمِ حدیث کے نامور علماء مثلاً علامہ ابن حجرؒ، حافظ سخاویؒ، علامہ سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ وغیرہ نے حدیث کی تصحیح وتضعیف کا کام کیا ہے۔ ذخیرہ حدیث پر ان حضرات کی عمیق نظر اور راویوں کے حالات سے مکمل واقفیت کی بنا پر احادیث کے بارے میں ان کی تحقیق کو علماء امت نے معتبر سمجھا ہے۔ اور ان کی تصحیح وتضعیف کو قبول کیا ہے، لہذا اس کتاب میں بھی موضوع احادیث ذکر کرنے میں انہی حضرات کے اقوال کا سہارا لیا گیا ہے۔ اور اپنی طرف سے کوئی بھی رائے قائم کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

فصل ۳

موضوع احادیث بیان کرنے کا حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی طرف منسوب کرکے کوئی بات بیان کرنا انتہائی ذمہ داری اور احتیاط کا کام ہے۔اور اس میں ذرا سی کوتاہی یا بے احتیاطی کی وجہ سے انسان انتہائی سخت وعید کا مصداق بن سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"إن كذباعلي ليس ككذب على أحدكم ،فمن كذب عليّمتعمدافليتبو أمقعده من النار"(۱)

ترجمہ: مجھ پر جھوٹ بولنا عام لوگوں پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے،

پس جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا، اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اسی وجہ سے ائمہ حدیث وعلماءِ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عنوان سے آپ ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنا جو آپ ﷺ نے نہ فرمائی ہو، حرام اور کبیرہ گناہ ہے اگرچہ کہنے والے کا مقصد نیک ہو۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ، امام نوویؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لا فرق في تحريم الكذب عليه ﷺ بين ما كان من الأحكام وما لا حكم فيه كالترغيب والترهيب والمواعظ وغير ذلک، فكله حرام من أكبر الكبائر وأقبح القبائح بإجماع المسلمين

---

(۱) صحیح مسلم، ۳۲/۱

الذين يعتد بهم في الإجماع۔“(۱)

یعنی مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ احکام، ترغیب وترہیب اور مواعظ وغیرہ میں آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے جھوٹ بولنا، حرام اور انتہائی قبیح حرکت اور کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

بلکہ علامہ سخاویؒ نے تو ایسے شخص کی توبہ قبول کرنے سے بھی انکار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

”لأن الكذب عليه ﷺ ليس كالكذب على غيره من الخلق والأمم، حتى اتفق أهل البصيرة والبصائر أنه من اكبر الكبائر وصرح به غير واحد من علماء الدين وأئمته، بعدم قبول

توبته۔"(۲)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ بالا وعیدوں کا مستحق وہی شخص ہوگا کہ جو قصداً حدیث گھڑتا ہو اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہو۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں لفظ "متعمداً" سے واضح ہے۔

تاہم اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا، بلکہ کسی جگہ کوئی بات بطورِ حدیث سن کر یا پڑھ کر اس کو آگے بطور حدیث بیان کرتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں وہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہوتی ہے، تو ایسا شخص اگر چہ مندرجہ بالا وعیدوں کا مستحق نہیں بنتا، لیکن اس درجہ میں گناہ کا ارتکاب ضرور کر لیتا ہے کہ اس نے بغیر تصدیق کے محض سنی سنائی بات کو آگے بیان کیا ہے، جب کہ حدیث میں ایسے شخص کو بھی جھوٹا کہا

---

(۱) تحذیر الخواص من أكاذيب القصاص: ص ۷۰

(۲) مقدمہ المقاصد الحسنة، ص ۱۸

گیا ہے۔(۱)

لہذا محض سنی سنائی بات اس وقت تک بطورِ حدیث بیان نہ کی جائے، جب تک کسی مستند طریقے سے اس کا حدیث ہونا ثابت نہ ہو۔

بالخصوص علماءِ دین اور مقتدایان ملت کو یہ روش ترک کرنی ہوگی کہ اپنے مواعظ اور بیانات میں بغیر تحقیق کے احادیث بیان کریں، کیوں کہ ان کے فرمودات عوام کے لیے حجت ہوا کرتے ہیں، لہذا بلا تحقیق احادیث بیان کرنا ان کی شان کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

"إعلم أنه ليس يسلم رجل حدث بكل ماسمع، ولا يكون إماما أبدا وهو يحدث بكل ماسمع"(۲)

ترجمہ: جان لو کہ ایسا شخص سلامت نہیں رہ سکتا، جو ہر سنی سنائی بات بیان کرے اور نہ ہی ایسا شخص مقتدا بن سکتا ہے۔

امام عبدالرحمان بن مہدیؒ سے بھی اسی طرح کا کلام منقول ہے۔(۳)

یہی وجہ تھی کہ حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ جب کسی سے کوئی نئی حدیث سنتے تو اس راوی سے اس حدیث کے ثبوت پر گواہ طلب کرتے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب کسی سے کوئی حدیث سنتے تو اس سے اس

---

(۱) دیکھیں مقدمہ صحیح مسلم: ۲۳/۱

(۲) صحیح مسلم: ۳۳/۱

(۳) صحیح مسلم: ۳۳/۱

حدیث کی صحت پر قسم لیا کرتے۔(۱)

علماءِ حدیث نے صحابہؓ میں سے خلفاءِ راشدین اور تابعین میں سے امام ابوحنیفہؒ کی بہت کم احادیث روایت کرنے کا سبب اسی احتیاط کو قرار دیا ہے کہ یہ حضرات ان وعیدوں کی وجہ سے حدیث روایت کرنے میں محتاط تھے۔(۲)

لہذا ہر شخص کو روایتِ حدیث میں احتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامنا چاہیے اور بغیر تصدیق کے کسی روایت کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

کسی حدیث کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا شک ہونا:

موضوع روایات کو بیان کرنے کے بارے میں ائمہ حدیث کی رائے گزشتہ سطور میں ذکر کی گئی، اس پر اضافہ کرتے ہوئے علماءِ حدیث کے نزدیک اگر کسی شخص کو کسی بات کے متعلق حدیث ہونے کا یقین نہ ہو، بلکہ اس حدیث کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا شک ہو اور اس کے باوجود یہ شخص اس حدیث کو روایت کرے تو ائمہ حدیث کے نزدیک یہ شخص بھی جھوٹی روایات بیان کرنے والا شمار ہوگا۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

"ثم من روى عن النبي عليه الصلوة والسلام حديثاً وهو شاك فيه: أصحيح أم غير صحيح؟ يكون كأحد الكاذبين لقوله عليه الصلوة والسلام: فمن حدث عني حديثا وهو يرى أنه كذب

---

(۱) الموضوعات الکبریٰ، ص ۳۲

(۲) الموضوعات الکبریٰ، ص ۳۲

حيث لم يقل: هو يستيقن أنه كذب۔" (۱)

ترجمہ: جو شخص حضور ﷺ سے کوئی حدیث روایت کرے، حالانکہ اس حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے میں (یعنی ثابت ہونے یا نہ ہونے میں) اس کو شک ہو، تو یہ شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس کے بارے میں اس کا خیال یہ ہو کہ یہ جھوٹ ہے۔ (تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ

اس کواس کے جھوٹا ہونے کا یقین ہو۔(بلکہ اگر جھوٹ ہونے کا گمان ہوتو بھی ایسا شخص جھوٹی حدیث روایت کرنے کی وعید میں داخل ہوجاتا ہے ۔)

علامہ ابن حبانؒ نے بھی ایسے شخص کو جھوٹا قرار دیا ہے،جس کو اپنی روایت کے حدیث ہونے کے بارے میں شک ہو، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”إن من اختلط عليه ماسمع بمالم يسمع،ثم لم يرع عن نشرها وحدث بها وهو لايتيقن بسماعها لبالحري أن لا يحتج به في الأخبار، لأنه في معنى من يكذب وهو شاک أو يقول شيئاً وهو يشک في صدقه،والشاک في صدق مايقول ،لايكون بصادق۔“(۲)

ترجمہ: جس شخص پر اپنی سنی اوران سنی روایات خلط ملط ہوجائیں۔اور وہ

---

(۱)الموضوعات الکبری، ص ۳۱

(۲)المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين ۱/۳۶۹،ترجمة صالح بن أبي الأخضر

پھر بھی ان احادیث کو پھیلانے میں احتیاط نہ کرے بلکہ ان کو بیان کرتا رہے۔حالانکہ اس کو ان احادیث کے سماع کا یقین نہ ہو،تو ایسا شخص اس کا مستحق ہے کہ روایات کے بارے میں اس کو معتبر نہ سمجھا جائے، کیونکہ یہ شخص ایسی بات کرر ہا ہے جس کے سچا ہونے میں اس کو شک ہے،اور

جس شخص کو اپنے کلام کے سچا ہونے کے بارے میں شک ہو تو اس کو سچا نہیں کہا جا سکتا۔

لہذا روایت حدیث میں ہر شخص کو انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے اور ہر سنی سنائی بات کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

فصل ۴

حدیث گھڑنے کے اسباب

جب بھی کسی شخص کے سامنے کسی ایسی حدیث کے موضوع ہونے کی تحقیق

سامنے آتی ہے جو کثرت سے سنی سنائی جاتی ہے، تو فطری طور پر اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے تو پھر اس کو گھڑنے والا کون ہے؟ اور وہ کون سے اسباب واغراض ہیں جن کی وجہ سے حضور ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کی گئی ہے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی، حالانکہ یہ اکبر الکبائر ہے۔ اس سوال کے جواب کے طور پر محدثین اور محققین نے ایسے بہت سارے عوامل اور اسباب ذکر کیے ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگوں نے احادیث گھڑی ہیں۔ ان میں سے چند اسباب ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(الف) بعض اوقات کچھ لوگ یا کوئی فرقہ اپنے نظریات اور باطل عقائد کی ترویج واشاعت کے لیے احادیث گھڑ لیتے تھے جو کہ ان کے نظریات کے لیے دلائل کا کام دیتے تھے، تاکہ اپنے باطل عقائد کو حدیثِ رسول ﷺ کا سہارا دے کر لوگوں کو ان پر آمادہ کیا جائے۔ جیسے فرقہ مرجئہ، فرقہ سالمیہ اور دیگر اہل بدع۔(۱)

(ب) کچھ لوگ بادشاہوں اور سلاطین کا تقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے وابستہ کسی دنیوی غرض کے حصول کے لیے ان کے حالات کے موافق حدیث گھڑ لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر لیتے تھے، تاکہ ان کو خوش کر کے ان سے

---

(۱) دیکھیں :الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة ،مجموعه رسائل اللکنوي، ۵/۱۱

وابستہ اپنی دنیوی اغراض پوری کر سکیں۔

(ج) چند فرقے ایسے تھے، جو بعض صحابہ کرامؓ کے مناقب اور فضائل کی احادیث گھڑ لیتے تھے جیسا کہ روافض، جب کہ اس کے برعکس خوارج، بعض صحابہؓ کی شان پر تنقید کرنے والی احادیث گھڑ کر ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔

(د) کچھ ایسے واعظین یا قصہ گو حضرات تھے جو اپنے وعظ میں انفرادیت اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ایسی انوکھی احادیث بنا لیتے تھے جو عجیب وغریب مضامین پر مشتمل ہوتیں، جس سے مقصود لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور اپنے علمی تفوق کا اظہار کرنا ہوتا تھا، کہ لوگوں کو ایسی نئی احادیث سنائیں جو انہوں نے نہ سنی ہوتی، حالانکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم" (۱)

ترجمہ: عنقریب میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو تمہیں ایسی احادیث سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء واجداد نے، پس ایسے لوگوں سے بچو۔

(ہ) کچھ ایسے کم علم یا بے علم لوگ تھے، جو بزعم خود لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے اور معاصی ونافرمانی سے بچانے کے لیے زہد وترکِ دنیا اور ترغیب وترہیب جیسے مضامین پر مشتمل احادیث گھڑ لیتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اس فعل پر یہ دلیل پیش کرتے

---

(۱) صحیح مسلم: ۳۳/۱

کہ حدیث میں "كذب على النبي ﷺ" کی ممانعت ہے۔ جب کہ ہمارا یہ فعل تو

''**كذب للنبي**ﷺ'' ہے یعنی ہم تو حضور ﷺ کے خلاف جھوٹ نہیں بول رہے ، بلکہ ہمارا یہ فعل تو حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی نصرت اور لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنے کے لیے ہے۔اس وجہ سے یہ لوگ حدیث گھڑلیا کرتے اور اس کو کوئی گناہ نہ سمجھتے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ابو عصمۃ نوح بن ابی مریم المروزی سے پوچھا گیا کہ آپ نے عکرمۃ عن ابن عباسؓ کی سند سے قرآن کریم کی ہر ہر سورت کے جو فضائل نقل کیے ہیں یہ روایات آپ نے کہاں سے لی ہیں؟ حالانکہ حضرت عکرمہؒ کے دیگر تلامذہ میں سے کسی نے بھی ان میں سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔تو انہوں نے جواب دیا کہ جب میں نے یہ دیکھا کہ لوگ قرآن کریم کی طرف سے بے توجہی اختیار کر رہے ہیں اور قرآن کریم کی بجائے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ اور ابن اسحاقؒ کی مغازی میں مشغول ہو رہے ہیں تو میں نے ثواب کی نیت سے سورتوں کے فضائل والی احادیث گھڑلیں۔''(تا کہ قرآن کریم کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہو)(۱)

ان حضرات کی نیت اگر چہ درست تھی ،لیکن طریقہ بلاشبہ غلط اور ناجائز تھا، کیونکہ کسی بھی نیت سے حدیث گھڑنا قطعاً ناجائز ہے اور ''**فليتبو أمقعده من النار**'' کی وعید کا مصداق ہے۔

---

(۱)الأحاديث المرفوعة في الأخبار الموضوعة: ۱۱/۵

مندرجہ بالا اسباب کی مزید تفصیل مع واقعات اور مثالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) كشف الخفاء ومزيل الإلباس: ۲/۴۹۹

(۲) الآثار المرفوعة في الاحاديث الموضوعة: ص ۷ تا ص ۱۴

(۳) الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ص ۵۰۹

(۴) الوضع في حديث النبوي: ص ۶۶ تا ص ۱۰۲

ان تمام اسباب کے باوجود چونکہ دینِ اسلام نے قیامت تک باقی رہنا ہے ،اس لیے اللہ تعالیٰ نے دینِ متین کو اپنی صحیح اور اصلی شکل میں محفوظ رکھنے اور اس کو خلط ملط ہونے سے بچانے کے لیے فنِ جرح وتعدیل کے ماہرین کی شکل میں ایسی عظیم المرتبت شخصیات پیدا کیں، جنھوں نے فنِ جرح وتعدیل کے میزان اور کسوٹی پر ہر ہر حدیث کو پرکھ کر ذخیرہ احادیث میں سے ایسی تمام روایات کو علیحدہ کر کے رکھ دیا اور آپ ﷺ کے مبارک کلام کو ہر قسم کی آمیزش سے محفوظ کر دیا فجزاهم الله خيرا۔

آئندہ سطور میں انہی مستند اور معتدل اہلِ علم حضرات کے اقوال کی روشنی میں ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے جو کہ مختلف حلقوں میں کثرت سے سنی سنائی جاتی ہیں، لیکن ائمہ حدیث ورجال سے مراجعت کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان کی نسبت حضور ﷺ کی طرف درست نہیں ہے۔

ان روایات کو چار ابواب اور ذیلی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب دوم

ایمانیات

(ا)اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق موضوع روایات

(ب):انبیاءِ کرام علیہم السلام سے متعلق موضوع روایات

(ج): ملائکہ سے متعلق موضوع روایات

(د): قیامت سے متعلق موضوع روایات

فصل اول

اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبرا: ''کن فیکون''

''سمعت االله من فوق العرش يقول للشي ''كن ''فيكون، فلا تبلغ الكاف النون إلا يكون الذی يكون۔''

جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں کہ ''ہوجا'' تو لفظ ''کن'' کے کاف اورنون کے آپس میں ملنے سے پہلے وہ کام ہوجاتا ہے۔

(حدیث کا وہ ترجمہ کیا گیا ہے جو عام طور پر مشہور ہے۔)

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے،اس روایت کے بارے میں مشہور محدث ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

''موضوع بلاشک''(۱)

یعنی یہ روایت بلا شک وشبہ من گھڑت ہے۔

اس کے علاوہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ،علامہ اسماعیل عجلونیؒ اورعلامہ شوکانیؒ نے بھی اس حدیث کوموضوع قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱)المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص ۱۲۵،رقم: ۲۰۲

(۲)بالترتیب دیکھیں: ذيل اللآلي المصنوعة، ص:۳

كشف الخفاء و مزيل الإلباس، رقم:۱/۵۱۸، ۱۴۸۵

الفوائد المجموعة في الاحاديث الضعيفة والموضوعة، رقم: ۲۰/۱۲۸۳

علامہ ذہبیؒ اس حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"هذا حديث باطل، واحمد المكي كذاب، رويته للتحذير منه" (١)

یعنی یہ حدیث باطل اور غلط ہے اور اس کا راوی احمد مکی جھوٹا ہے اور میں نے اس سے خبردار کرنے کے لیے اس کی یہ روایت نقل کی ہے۔

حدیث نمبر ۲: اپنے نفس کی پہچان سے رب کی پہچان

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

اس روایت کے بارے میں حافظ سخاویؒ، ابن السمعانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ روایت حضور ﷺ کی حدیث نہیں ہے، بلکہ یہ در حقیقت یحییٰ بن معاذ رازیؒ کا قول ہے۔ (۲)

اسی طرح مشہور محدث ملا علی قاریؒ، علامہ نوویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"انه ليس بثابت_يعنى عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم_" (٣)

یعنی یہ روایت حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ دیگر محدثین مثلاً علامہ عجلونیؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور شیخ

---

(١) تنزيه الشريعة المرفوعة: ١/١٤٨

(٢) المقاصد الحسنه، رقم: ١١٤٩، ص ٤٦٦

(٣) الموضوعات الكبرى، ص ٢٣٨، رقم: ٩٣٧

محمد القاوقجیؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔(۱)

حدیث نمبر ۳: حدیث قدسی

"کنت کنزاً مخفیاً فأحببت أن أعرف فخلقت خلقاً"

ترجمہ: (اللہ تعالی کا ارشاد ہے) میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کرواؤں تو میں نے مخلوقات پیدا کیں۔

یہ حدیث شہرہ آفاق مفسرِ قرآن علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں آیت **{وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون}** (۲) کے تحت ذکر کی ہے اور اس روایت کو ائمہ حدیث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام زرکشیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"وقد جاء "كنت كنزا مخفيا فأحببت أن أعرف فخلقت الخلق لأعرف" ذكره بهذا اللفظ سعد الدين سعيد الفرغاني في منتهى المدارك ... وتعقبه الحفاظ فقال ابن تيميه رحمه الله إنه ليس من كلام النبي صلى الله عليه وآله وسلم ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف، وكذا قال الزركشي رحمه الله والحافظ ابن حجر رحمه الله وغيرهما۔"(۳)

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

كشف الخفاء جلد: ۲، رقم: ۲۵۳۲، ص ۳۰۹،

تدريب الراوی جلد ۱۷۵/۲،

اللؤلؤ المرصوع، رقم: ۵۹۴، ص ۱۹۱

(۲) الذاريات: ۵۶ (۳) روح المعاني: ۲۷/۲۱

علامہ آلوسیؒ مزید لکھتے ہیں کہ یہ روایت جن صوفیاء کرام نے نقل کی ہے وہ خود بھی اس کے معترف ہیں کہ یہ روایت آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے، بلکہ یہ ان کا کشف ہے۔(۱)

اس کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث مثلاً ملا علی قاریؒ ، حافظ سخاویؒ، علامہ ابنِ عرّاقؒ اور حافظ عجلونیؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔(۲)

حدیث نمبر ۴: اللہ تعالی کا مؤمن بندے کے دل میں سما جانا

"ما وسعني أرضي ولا سمائي ولكن وسعني قلب عبدي المؤمن۔"

(اللہ تعالی کا ارشاد ہے) میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں، لیکن میں اپنے مؤمن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

اس روایت کے بارے میں ملا علی قاریؒ، علامہ زرکشیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"وضعته الملاحدة۔"(۳)

---

(۱) روح المعانی، ۲۷/۲۱

(۲) بالترتیب دیکھیں:

المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم: ۲۳۲، ص: ۱۴۱

المقاصد الحسنة، ص: ۳۳۴، رقم: ۸۳۸

تنزيه الشريعه المرفوعة: ۱/۱۴۸

كشف الخفاء: ۲/۱۵۵، رقم: ۲۰۱۶

(۳)الموضوعات الكبرى، رقم: ۱۰۸۰، ص: ۲۰۶،
المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص: ۱۶۴، رقم: ۲۹۳

یعنی یہ ملحدین کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔

علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث عوام کے سامنے ''علی بن وفا'' نامی شخص اپنی اغراض کے حصول اور باطل مقاصد کی تکمیل کے لیے روایت کرتا تھا اور جب وہ وجد میں آ کر رقص شروع کرتا تو اپنے دل کی طرف اشارہ کر کے کہتا کہ اپنے رب کے گھر کا طواف کرو۔(۱)

تاہم علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اس مفہوم سے ملتی جلتی یہ روایت معجم طبرانی میں موجود ہے۔

''إن للہ آنیۃ من أهل الأرض و آنیۃ ربکم قلوب عبادہ الصالحين
و أحبها الیہ ألینها و أرقها۔''(۲)

ترجمہ: بلاشبہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ ٹھکانے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ ٹھکانے اس کے نیک بندوں کے دل ہیں۔ اور ان میں بھی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند، وہ دل ہیں جو زیادہ نرم اور رقیق ہیں۔

الحاصل یہ مفہوم تو ثابت ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کا مسکن ہے، تاہم مندرجہ بالا الفاظ جو عوام میں معروف ہیں وہ من گھڑت اور موضوع ہیں۔

---

(۱)المقاصد الحسنة، ص:۳۸۰،رقم:۹۹۰

(۲)المقاصدالحسنة، ص ۳۸۰،رقم ۹۹۰

فصل دوم

انبیاءکرام علیہم السلام سے متعلق روایات

حدیث نمبر ا: حدیث قدسی

"لولاک ماخلقت الأفلاک۔"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے ،تو میں اس کائنات کی تخلیق نہ کرتا۔

اس حدیث کو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (۱) اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۲) نے موضوع قرار دیا ہے۔

تاہم اکثر محدثین نے اس حدیث کے معنی ومفہوم کو درست اور ثابت قرار دیا ہے،جن میں ملاعلی قاریؒ،حافظ عجلونیؒ اور علامہ قاوقجیؒ شامل ہیں۔(۳)

ملاعلی قاریؒ نے اس مفہوم کی ایک مرفوع روایت بھی ذکر کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) فتاوی عزیزی: ۱/۱۲۲

(۲) امدادالفتاوی: ۴/۹ ۷

(۳) بالترتیب دیکھیں:

الموضوعات الکبریٰ، ص: ۱۹۴ ،رقم:۷۵۵

كشف الخفاء، ج ۲، رقم: ۲۱۲۳، ص: ۱۹۱

اللؤلؤ المرصوع رقم: ۴۵۲، ص ۱۵۴

"قال الصغاني إنه موضوع ،كذا في الخلاصة ، لكن معناه صحيح ، فقد روى الديلمي عن ابن عباس ﷺ مرفوعاً ، أتاني جبريل فقال يا محمد :لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار۔"(۱)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے ، چنانچہ انہوں نے کہا کہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے محمد ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم پیدا نہ کرتا۔

حدیث نمبر ۲: "ہر نبی کو چالیس برس میں نبوت ملنا"

"ما من نبيّ نبّئ إلا بعد الأربعين"

ترجمہ: ہر نبی کو چالیس برس کے بعد ہی نبوت ملی ہے۔

اس حدیث کا معنی ومفہوم بھی لوگوں میں مشہور ومعروف ہے کہ ہر نبی کو چالیس برس کے بعد نبوت عطا کی گئی ہے حالانکہ محدثینؒ نے اس کو موضوع اور نفس الامر کے خلاف قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

حافظ سخاویؒ اس حدیث کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"إنه موضوع، لأن عيسىٰ عليه السلام نبئى ورفع إلى السماء

---

(۱) الموضوعات الكبرى، ص ۱۹۴، رقم: ۷۵۵

(۲)الدرر المنتشرة،رقم: ۳٦۰

وهو إبن ثلاثة وثلاثين سنة ، فإشتراط الأربعين في حق الأنبياء ليس بشي۔(۱)

ترجمہ: یہ روایت من گھڑت ہے، کیوں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس برس کی عمر میں آسمان پر اٹھالیا گیا تھا، جب کہ اس واقعے سے پہلے ان کو نبوت مل چکی تھی ۔لہذا انبیاء کرام کی نبوت کے لیے چالیس برس کو شرط قرار دینا درست نہیں ۔

اسی طرح ملاعلی قاریؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اوراس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ یہ حدیث قران کریم کی ان آیات کے خلاف ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت مل گئی تھی ۔(۲)

حدیث نمبر ۳: عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے آپ ﷺ کو دیئے گئے ۔

"خلق اللہ العقل ، فقال له" أدبر" فأدبر ثم قال له :"أقبل" فأقبل،ثم قال : ماخلقت خلقاأحب إلي منک، فأعطى اللہ محمدا ﷺ تسعة وتسعين جزءاً، ثم قسم بين العباد جزءاً واحداً"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عقل کی تخلیق کی، پھر اس کو حکم دیا کہ پیچھے ہوجا،تو وہ پیچھے ہوگئی، پھر اس کو حکم دیا: آگے ہو جا! تو وہ آگے ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے

---

(۱)المقاصد الحسنة، رقم:۹۸۵، ص:۳۷۸

(۲)الموضوعات الکبری، رقم:۸۰۸، ص:۲۰۵

اس میں سے ننانوے حصے حضرت محمد ﷺ کو عطا کیے اور ایک حصہ باقی بندوں میں تقسیم کیا۔

اس حدیث کے بارے میں مشہور محدث ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

''انه کذب موضوع اتفاقا''(۱)

یعنی یہ حدیث بالاتفاق جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

ان کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ اور ان کے شاگرد علامہ سخاویؒ نیز حافظ جلال الدین سیوطیؒ، حافظ ابن قیمؒ اور علامہ عجلونیؒ جیسے بلند پایہ محدثین نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا ائمہ حدیث نے اس روایت کا پہلا حصہ یعنی ''لماخلق اللّٰہ العقل '' سے لے کر ''أحب إليّ منک'' تک نقل کر کے اس حصے کو موضوع قرار دیا ہے، جبکہ روایت مذکورہ کا وہ حصہ جو زیادہ مشہور ہے (یعنی عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے حضور ﷺ کو دیئے گئے اور ایک حصہ

---

(۱)المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم:۴۸، ص:۶۲

(۲)بالترتیب دیکھیں:

۔فتح الباری:۶/۳۳۴

۔المقاصد الحسنة، رقم:۲۳۳، ص:۱۲۵

۔اللآلی المصنوعة:۱/۱۲۹

۔المنار المنیف، رقم:۱۲۰، ص:۶۶

۔کشف الخفاء، رقم:۲۳۷، ص:۱۷۲

باقی لوگوں پر تقسیم کیا گیا) حدیث کے اس ٹکڑے کو مندرجہ بالا ائمہ میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔حتی کہ علامہ سیوطیؒ نے اس روایت کے تمام طرق ذکر کیے ہیں،لیکن کسی طریق میں بھی یہ دوسرا حصہ مذکور نہیں ہے،روایت کا یہ حصہ صرف مشہور شیعہ مصنف باقر مجلسی نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۱)

تاہم روایت کا یہ حصہ بھی پہلے حصے کی طرح موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ عقل کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں ان جملہ روایات کے بارے میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

”أحادیث العقل کلها کذب“(۲)

یعنی عقل والی تمام روایات جھوٹی ہیں۔

نیز اگر چہ باقر مجلسی نے اس ٹکڑے کو اپنی سند کے ساتھ نقل بھی کیا ہے،لیکن باقر مجلسی کا غلو پر مبنی رفض وتشیع بھی قطعاً ان سے روایت لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روافض کی روایت کے بارے میں حافظ سیوطیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

”وأما البدعة الکبریٰ کالرفض الکامل ، والغلو فیه والحط

عن الشیخین۔ابی بکر وعمر رضی اللہ عنهما۔فلا۔ولا کرامة۔

لا سيما ولست أستحضر الآن من هذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا، بل الكذب شعارهم والنفاق والتقية دثارهم

---

(۱) بحار الانوار، باب حقيقة العقل وكيفيته وبدو خلقه: ۱/۹۷

(۲) الموضوعات الكبرىٰ، ص: ۱۷

فكيف يقبل من هذا حاله"(۱)

ترجمہ: اور اگر کسی راوی میں بدعت کبریٰ پائی جائے، جیسے کوئی راوی غالی رافضی اور شیعہ ہو اور حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کے مقام سے نیچے دکھانے کی کوشش کرتا ہو، تو ان کی روایت قابل قبول نہیں، کیونکہ ابھی تک میں نے اس قبیل کے لوگوں میں کسی کو صادق اور امین نہیں پایا ہے بلکہ جھوٹ، منافقت اور تقیہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہے تو ایسے شخص کی روایت کیونکر قبول کی جا سکتی ہے؟

لہذا محض اس سند سے مروی اس روایت کو بیان کرنا درست نہیں، بالخصوص جب کہ دیگر محدثین اس کو موضوع بھی قرار دے چکے ہیں۔

حدیث نمبر ۴: بچے کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنے کی نیت کرنے سے لڑکے کا پیدا ہونا

"ما من مسلم دنا من زوجته وهو ينوي إن حبلت منه أن يسمي محمداً إلا رزقه اللّٰه ولداً ذكراً۔"

ترجمہ: جو مسلمان اپنی بیوی سے صحبت کرے اور یہ نیت کرے کہ اگر اس صحبت سے حمل ٹھہر گیا، تو اس کا نام محمد رکھے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو نرینہ اولاد عطا فرمائیں گے۔

اس روایت کو ملا علی قاریؒ اور علامہ محمد بن خلیل القاوقجی الطرابلسیؒ نے

---

(۱) مقدمۃ فتح الملھم، روایات أھل البدع والأھوائِ: ص: ۱۷۲

موضوع قرار دیا ہے۔(۱)

حافظ ذہبیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"حدیث موضوع وسندہ مظلم"(۲)

نیز علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"لا یصح"(۳)

یعنی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

فائدہ:

واضح رہے کہ کہ ایسی کتب جن میں مصنفین نے صرف موضوع یا ضعیف روایات جمع کرنے کا التزام کیا ہو، ان میں جب کسی حدیث پر "لا یصح" کا حکم لگایا جاتا ہے، تو وہاں صحیح سے مراد اصطلاحی صحیح نہیں ہوتا، جو کہ حسن اور ضعیف کے مقابلے میں آتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اس حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح نہیں اور یہ حدیث موضوع ہے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے محقق عالم ومحدث شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ لکھتے ہیں:۔

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

الموضوعات الکبریٰ، ص: ۳۱۰، رقم: ۱۱۹۳۔

اللؤلؤ المرصوع، ص: ۱۶۴، رقم: ۴۸۸

(۲) تنزیہ الشریعة المرفوعة، ۱/۱۷۴

(۳) اللآلي المصنوعة: ۱/۱۰۶

فقولهم في الحديث "لا يصح" أو "لا يثبت" أو "لم يصح" أو "لم يثبت" أو "ليس بصحيح" أو "ليس بثابت" أو " غير ثابت" أو " لا يثبت فيه شي" ونحو هذه التعابير، إذا قالوه في كتب الضعفاء أو الموضوعات فالمراد به أن الحديث المذكور موضوع ، لا يتصف بشي من الصحة۔ (۱)

ترجمہ: محدثین کا کسی حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ "یہ حدیث صحیح نہیں ہے یا ثابت نہیں ہے" (یا اس سے ملتے جلتے الفاظ) جب کسی حدیث کے بارے میں محدثین یہ الفاظ ضعیف یا موضوع روایات پر مشتمل کتابوں میں استعمال کریں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے اور اس میں صحت کی کوئی چیز نہیں ہے۔

لہذا علامہ سیوطیؒ کا مندرجہ بالا حدیث پر" لا یصح " کا حکم لگانا اس حدیث کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۵: ''اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب کون ہے؟''

''ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا میں؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو میں زیادہ محبوب ہوں کیونکہ آپ کو میرے پاس بھیجا جاتا ہے۔

---

(۱)مقدمۃ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، ص:۲۷، ص:۳۵

پھر جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا قرآن؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو میں زیادہ محبوب ہوں کیونکہ قرآن مجید مجھ پر اتارا جاتا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ زیادہ محبوب ہیں یا دین؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دین زیادہ محبوب ہے کیونکہ دین کی خاطر مجھے بھیجا گیا ہے اور دین کے لیے سارے انبیاء کرام علیہم السلام نے تکالیف برداشت کی ہیں۔''

یہ حدیث بیانات وغیرہ میں کثرت سے بیان کی جاتی ہے، بہت تلاش کے باوجود اس کی بنیاد یا اس کے اصل ماخذ کا پتہ نہ چل سکا، لہذا مختلف دارالافتاء سے اس روایت کے سلسلے میں رجوع کیا گیا تو ان کی طرف سے اس حدیث کے ثبوت کی نفی کی گئی، چنانچہ ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کے شرعی مسائل میں اس حدیث کی صحت کے بارے میں سوال کیا گیا، تو اس کا جواب ''دارالافتاء والارشاد کراچی'' کی طرف سے یوں دیا گیا ہے:۔

''یہ بات ہم نے حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں پڑھی اور نہ ہی کسی معتمد عالم دین سے سنی ہے، اس مضمون سے ملتی جلتی کوئی حدیث بھی ہماری نظر سے نہیں گزری، اس لیے اس بات کو بطور حدیث بیان کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کا معتبر حوالہ پیش کرے، بغیر معتبر حوالہ کے ہرگز اس کو آگے بیان نہ کرے۔''(۱)

---

(۱) آپ کے مسائل کا حل، مندرجہ ضرب مومن، جلد ۱۷، شمارہ ۲، جمعہ ۷ تا جمعرات ۱۳ صفر ۱۴۳۴ھ

اسی طرح دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے جدید فتاویٰ جات میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:۔

''ہماری نظر سے ایسی کوئی حدیث نہیں گزری۔''(۱)

لہٰذا اس حدیث کو بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۶: ''حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی روایات''

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، جن کے اوپر بطور آزمائش ایک لمبے عرصے تک بیماری آئی تھی۔ ان کی بیماری کے واقعے میں عموماً یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ اس بیماری سے ان کا بدن گل سڑ گیا تھا اور ان کے مبارک جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، حتیٰ کہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی کیڑا ان کے بدن سے گر جاتا تو وہ ان کو اٹھا کر دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیتے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق اس قسم کی روایات سے قبل یہ اصول ذہن

نشین کر لینا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر صحت و مرض کے حالات آتے رہے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ہر اس بیماری اور عیب سے محفوظ رکھا ہے جس سے لوگ گھن یا کراہت محسوس کریں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصدِ بعثت لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور ان میں رہتے ہوئے، ان کو حق بات کی تلقین کرتے رہنا تھا، جب کہ اس قسم کی بیماریاں لوگوں کے تنفر اور دوری کا باعث ہیں، نیز اس قسم کی بیماریاں شانِ نبوت اور منصبِ نبوت کے بھی منافی ہیں۔

---

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند، حدیث وسنت، آن لائن دارالافتاء

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:۔

> ''بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے گھن کی وجہ سے آپ کو ایک کوڑی پر ڈال دیا تھا، لیکن بعض محققین مفسرینؒ نے ان آثار کو درست تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام علہیم السلام پر بیماریاں تو آسکتی ہیں، لیکن انہیں ایسی بیماریوں میں مبتلا نہیں کیا جاتا، جن سے لوگ گھن کرنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری بھی ایسی نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ کوئی عام قسم کی بیماری تھی، لہذا وہ آثار جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف پھوڑے پھنسیوں کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں کہا گیا ہے کہ آپ کو کوڑی پر ڈال دیا گیا تھا۔ روایۃً اور درایۃً قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔'' (۱)

نیز جمہور محققین مثلاً حافظ ابن حجرؒ، علامہ آلوسیؒ نے بھی حضرت ایوب علیہ

السلام کی بیماری کی تفصیل والی روایات کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس کو انبیاء کرام علیہم السلام کی وجاہت (جو کہ نبوت کا خاصہ ہے) کے منافی قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) معارف القرآن، جلد ۷/۵۲۲

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: فتح الباري: جلد ۶/۲۲۶۔

_روح المعانی: جلد ۲۳/۲۰۸۔

_الإسرائيليات وأثرها في كتب الحديث: ص: ۳۳۳، ۳۳۴۔

_تفسیر المراغی: ۱۲۵/۲۳ _فتاویٰ حقانیہ: ۲/۱۵۳

الغرض امراض کا عارض ہونا بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی پیش آتا رہا ہے لیکن صرف اس حد تک کہ وہ لوگوں کے لیے باعثِ نفرت اور سببِ تکدر نہ ہو اور نہ ہی وہ عیب کے درجے میں ہو، لہٰذا ایوب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیماری یا تکلیف تو یقینا آئی تھی، لیکن اس کی تفصیل بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۷: ''حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مٹی کے کھلونے بنانے اور بعد ازاں توڑنے کا حکم دینا''

> ''جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے قوم کے لیے بددعا فرمائی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر سارے نافرمانوں کو ہلاک کر دیا تو کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ مٹی کے چند کھلونے بناؤ، حضرت نوح علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں مٹی کے چند

کھلونے بنا لیے، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو توڑ دو تو حضرت نوح علیہ السلام نے حکم خداوندی کو بجا لاتے ہوئے ان کو توڑ ڈالا، لیکن ان کھلونوں کو توڑتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام رنجیدہ ہوئے کہ میں نے کتنی مشقت سے ان کھلونوں کو بنایا تھا اور اب ان کو توڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ان کی اس دلی کیفیت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے نوح! ان معمولی بے جان کھلونوں کو توڑنے سے آپ کے دل کو اتنی ٹھیس پہنچی ہے تو آپ کی بد دعا کی وجہ سے میں نے جن لوگوں کو ہلاک کر ڈالا کیا مجھے اپنے ان بندوں سے محبت نہیں تھی کہ آپ نے ان کی ہلاکت کی بد دعا کی؟''

یہ قصہ مواعظ اور بیانات میں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے، لیکن یہ واقعہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی امت کے لیے کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی بد دعا نہیں کی، بلکہ یہ عظیم ہستیاں ہر لحظہ انسانیت کی ہدایت پر حریص اور ان پر مشفق اور مہربان ہوا کرتی تھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی امت کے لیے بد دعا کرنا بھی کسی قسم کی جذباتیت کی بنا پر نہیں تھا اور نہ ہی اپنے امت کے سینکڑوں سالوں کے اعراض وتکذیب اور مسلسل انکار سے تنگ آ کر انہوں نے بد دعا کی تھی، بلکہ ان کی بد دعا کے پیچھے بھی ان لوگوں کے لیے شفقت اور مہربانی کا جذبہ کارفرما تھا جو ایمان قبول کر چکے تھے، کہ یا اللہ! یہ کفار اگر زندہ رہیں گے تو یہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیں گے جو ایمان قبول کر چکے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کی یہ غرض مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی حکایت کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ (۱)

---

(۱) نوح ۲۶۔۲۷

نیز حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو سال کی محنت کے بعد بھی اس وقت بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی کہ آپ کی قوم میں سے جن کی قسمت میں ہدایت لکھی جا چکی تھی وہ سب ایمان لا چکے ہیں۔ مزید آپ کی قوم میں سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

{اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ} (۱)

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سورہ نوح کی مذکورہ بالا آیت کے ترجمہ وتفسیر میں لکھتے ہیں:۔

''چونکہ مجھ کو آپ کے ارشاد 'اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ'' سے معلوم ہو گیا کہ یہ اب ایمان نہ لاویں گے اس لیے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ......الخ'' (۲)

بلکہ مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا، چنانچہ

وہ لکھتے ہیں:۔

قلت وإن كان لم يؤمر بالدعآء نصّاً، فقد قيل له: ''إنه لن يؤمن من قومک إلا من قد آمن'' فأعلم عواقبهم، فدعا عليهم بالهلاک، كما دعا نبينا ﷺ على شيبة وعتبة ونظرائهم، فقال: ''أللهم عليک بهم'' لما أعلم عواقبهم، وعلى هذا يكون فيه

---

(۱)سورۃ ھود ۳۶
(۲)معارف القرآن: ۸/۵۲۳

معنى الأمر بالدعآئ''(۱)

ترجمہ: ''اگرچہ نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کے لیے بددعا کا حکم صراحتاً تو نہیں دیا گیا تھا، البتہ ان سے یہ کہا گیا کہ'' آپ کی قوم میں سے اب کوئی بھی ہرگز ایمان نہیں لائے گا سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں۔'' تو اس آیت سے ان کو اپنی قوم کا انجام معلوم ہو چکا تھا تب انہوں نے ان کے لیے ہلاکت کی بددعا کی۔جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ نے عتبہ وشیبہ کا انجام معلوم ہو جانے پر ان کے لیے بددعا فرمائی تھی، تو اس طرح (اگرچہ حضرت نوح علیہ السلام کو صراحتاً تو بددعا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا لیکن) معنوی طور پر ان کو بددعا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔''

لہذا ایسی روایات بیان کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اللہ تعالٰی نے نوح علیہ السلام کی بددعا پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

حدیث نمبر ۸: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پرندے کا

پانی ڈالنا''

یہ روایت مشہور ہے کہ جب نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا، تو ایک پرندہ ابابیل اپنی چونچ میں پانی بھر کر آگ پر ڈالتا رہا تاکہ آگ بجھ جائے جبکہ گرگٹ اس آگ پر پھونک مارتا رہا تاکہ وہ آگ مزید بھڑک اٹھے۔

یہ روایت درست نہیں نہ ہی کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔اس کی جگہ

---

(۱) الجامع لأحکام القران: ۲۱/۲۶۹

آپ ﷺ کی حدیث میں ابابیل کی بجائے مینڈک کا ذکر ہے اور گرگٹ کی بجائے چھپکلی کا ذکر ہے۔

حدیث مندرجہ ذیل ہے۔

''عن عائشة رضی اللہ عنها أن النبی ﷺ قال: کانت الضفدع تطفئی النار عن ابراهیم علیه السلام و کان الوزغ ینفخ فیه فنهی عن قتل هذا و أمر بقتل هذا۔''

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مینڈک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو بجھاتا رہا اور چھپکلی اس آگ میں پھونک مارتی رہی۔چنانچہ آپ ﷺ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا اور چھپکلی کو مارنے کا حکم دیا۔

لہذا اس روایت میں ابابیل اور گرگٹ کو ذکر کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر۹: آپ ﷺ کا ایک بوڑھی عورت کی گھٹڑی اٹھانا

یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی یہودی عورت سر پر گھٹڑی اٹھا کر مکہ مکرمہ سے جارہی تھی۔آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو اس سے گھٹڑی لے کر خود اپنے سر پر رکھ لی۔جب اسے منزل پر پہونچایا تو اس بڑھیا نے آپ ﷺ کو نصیحت کی کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو لوگوں کو ان کے آبائی دین سے پھیر کر ایک نئے دین کی دعوت دیتا ہے اور اس کا نام محمد (ﷺ) ہے۔تم اس سے بچتے رہنا،آپ ﷺ نے

---

(۱)مصنف عبدالرزاق،۴۴۶/۴،رقم الحدیث:۸۳۹۲

فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں،تو وہ بڑھیا آپ کے حسنِ اخلاق سے متأثر ہوکر ایمان لے آئیں۔

یہ واقعہ بھی خودساختہ ہے۔تخریج حدیث کے جدید مکتبہ ''الدررالسنیۃ'' نے اس واقعہ کو بے بنیاد اور من گھڑت قرار دیا ہے نیز اس قصے کے من گھڑت ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس قصے میں یہودی عورت کا واقعہ مکہ میں بیان کیا گیا ہے حالانکہ مکہ مکرمہ میں یہود نہیں تھے یہود تو مدینہ منورہ میں آباد تھے۔

حدیث نمبر۱۰:''آپ ﷺ کا ابوجہل کو دین اسلام کی دعوت دینا''

اس بارے میں دو روایتیں عموماً گردش کرتی ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ نے ابوجہل کو ننانوے یا سو مرتبہ دین کی دعوت دی۔

دوسری یہ کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ سخت بارش اور سردی میں ابوجہل کے گھر

کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ابو جہل نے کہا کہ اتنی سخت بارش اور سردی میں ضرور کوئی بہت ہی حاجت مند شخص میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا تا ہے، میں ضرور اس کی حاجت پوری کروں گا۔ چنانچہ جب اس نے دروازہ کھولا تو آپ ﷺ سامنے کھڑے تھے لیکن ابو جہل نے پھر بھی آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

یہ دونوں روایتیں بھی ذخیرۂ احادیث میں بہت تلاش کے باوجود کہیں نہیں ملیں۔

حدیث نمبر ۱۱: ''آپ ﷺ کا ایک قافلے کو دین کی دعوت دینے کے لیے جانا''

یہ روایت بھی عموماً بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ سخت آندھی اور گرج چمک والی رات میں ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کو کہیں تشریف لے جاتے ہوئے دیکھا تو اس صحابیؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ اتنی سخت رات میں کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑ کے اُس پار ایک قافلہ رات کے لیے ٹھہرا ہوا ہے، اسے اپنی دعوت دینے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس صحابیؓ نے کہا کہ اتنی سخت رات میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ صبح تشریف لے جائیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں صبح ہونے سے پہلے یہ قافلہ چلا نہ جائے اس لیے ابھی جا رہا ہوں۔

یہ روایت بھی تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہیں مل سکی۔

فصل سوم

فرشتوں سے متعلق روایات

حدیث نمبر ا: ’’فرشتوں کا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی مشابہت میں ٹاٹ کا لباس پہننا‘‘

’’هبط علي جبريل عليه السلام وعليه طنفسة وهو متخلل بها فقلت: ’’يا جبريل! ما نزلت إليّ في مثل هذا الزي‘‘ ؟قال: إن اللّٰه تعالىٰ أمر الملائكة أن تتخلل في السماء كتخلل أبي بكر في الأرض‘‘

ترجمہ: (آپ ﷺ سے روایت ہے) مجھ پر جبرائیل علیہ السلام اس حال میں اترے کہ وہ ٹاٹ کا لباس اوڑھے ہوئے تھے، تو میں نے کہا

''اے جبرائیل !تم تو پہلے کبھی اس حلیہ میں نہیں اترے؟'' (آج اس قسم کے لباس پہننے کی کیا خاص وجہ ہے؟) توحضرت جبرائیلؑ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کوحکم دیا ہے کہ وہ آسمان میں وہ لباس پہنیں جوحضرت ابوبکرصدیقؓ نے زمین میں پہنا ہوا ہے۔''

یہ حدیث بھی زبان زدعام ہے، حالانکہ اس حدیث کوعلامہ جلال الدین سیوطیؒ،امام ابن عرّاقؒ اور دیگر محدثین نے موضوع اورمن گھڑت قرار دیا ہے۔(۱)

---

(۱)بالترتیب دیکھیں : اللآلي المصنوعة: ۱/۲۹۳ تنزیه الشریعة المرفوعة : ۱/۳۴۳ الفوائدالمجموعة:ص:۴۱۹،رقم الحدیث:۱۰۴۳/۶

علامہ ابن الجوزیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''یہ حدیث ثابت اُشنانی نے اپنی طرف سے گھڑی ہوئی ہے اور یہ شخص حدیث گھڑنے کے ساتھ ساتھ نقلِ حدیث اور معرفتِ حدیث سے بھی جاہل تھا(۱)

(یہاں قارئین کے سامنے یہ وضاحت ضروری ہے کہ احادیث پرحکم لگانے میں علامہ ابن جوزیؒ کا تشدد مشہور ہے، تاہم اس کتاب میں کسی حدیث پران کے حکم کو اصولی اور بنیادی حیثیت سے ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کا قول محض تائیدی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔دیگر معتدل ائمہ حدیث واہل تحقیق کی رائے کو ہی بنیاد بنا کراحادیث پرحکم لگایا گیا ہے۔)

لہذا یہ حدیث موضوع ہے۔حضرت ابوبکرصدیقؓ کے دیگر مستند مناقب وفضائل اتنے زیادہ ہیں کہ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی ان کا شریک

نہیں ہے۔لہذاان کے فضائل ومناقب میں ان مستندروایات کوہی بیان کیا جائے۔

حدیث نمبر ۲:’’فرشتے کی دو پلکوں کے مابین پانچ سوسال کی مسافت‘‘

’’إن للہ ملکاً مابین شفري عینیہ مسیرۃ خمس مائۃ عام‘‘

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی دونوں آنکھوں کی پلکوں کے مابین پانچ سوسال کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے۔

اس حدیث کے بارے میں ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

---

(۱)کتاب الموضوعات: ۲/۵۵

’’لم یوجد لہ أصل‘‘(۱)

ترجمہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

نیز امام عجلونیؒ اور علامہ قاوقجیؒ نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

حدیث نمبر ۳:’’لا الہ الا اللہ‘‘ پڑھنے سے ایک عجیب الخلقت فرشتے کا پیدا ہونا

’’من قال لا إلٰہ إلا اللہ، خلق اللہ من تلک الکلمۃ طائر اً لہ سبعون ألف لسان، لکل لسان سبعون ألف لغۃ، یستغفرون اللہ لہ‘‘

ترجمہ: جوشخص لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے ایک پرندے کو پیدا فرماتے ہیں۔(عوام میں پرندے کی جگہ فرشتہ مشہور ہے

)جس کی ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں۔ ہر زبان میں ایک ہزار بولیاں ہوتی
ہیں۔اور وہ فرشتہ ان سب زبانوں اور بولیوں میں اس بندے کے لیے
اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔
اس حدیث کو ملا علی قاریؒ، علامہ قاوقجیؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے من گھڑت قرار

----

(۱)المصنوع في معرفة الحديث الموضوع: ص:٦٧، رقم:٦٣
(۲) بالترتیب دیکھیں:
_کشف الخفاء: ۲۲۸/۱، رقم:۷۷۳۔
_اللؤلؤ المرصوع رقم: ۱۱۱)

دیا ہے۔(۱)

---

(۱) بالترتیب ملاحظہ کریں:

_الموضوعات الکبریٰ ص: ۲۹۸، رقم: ۱۱۸۰۔

_اللؤلؤ المرصوع ص: ۱۹۴، رقم: ۶۰۴۔

_المنار المنیف ص: ۵۰، فصل: ۶

فصل چہارم

قیامت کے بارے میں موضوع روایات

حدیث نمبر ۱ ''قیامت کے دن ایک عورت کی وجہ سے چار آدمیوں کا جہنم میں جانا''

''قیامت کے دن ایک عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا، تو وہ عورت اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گی کہ اے اللہ! میرے باپ، بھائی، میرے بیٹے اور میرے شوہر میں سے کسی نے مجھے دین نہیں سکھایا، جس کی وجہ سے آج مجھے جہنم میں ڈالا جا رہا ہے، اگر یہ مجھے دین سکھاتے تو آج میں جہنم نہ جاتی۔ تو اس کی

اس شکایت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان چاروں کو بھی جہنم میں ڈال دیں گے
۔''

یہ حدیث تلاشِ بسیار کے باجود نفیاً واثباتاً کہیں نہیں مل سکی، البتہ یہ مذکورہ بالا کلام مشہور حدیث ''**کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیته**'' کی تشریح کے طور پر تو کہا جاسکتا ہے، لیکن خاص ایک عورت کی وجہ سے چار مذکورہ بالا رشتہ داروں کا جہنم میں جانا کسی حدیث میں نہ مل سکا۔

لہذا اس روایت کے بارے میں مختلف مدارس کے دارالافتاء سے رجوع کیا گیا، تو سب کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا گیا، چنانچہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاون کراچی کے دارالافتاء کی طرف سے درج ذیل جواب دیا گیا۔

''استفتاء میں ذکر کردہ حدیث تلاشِ بسیار کے باوجود احادیث مبارکہ کی کسی کتاب میں نہ مل سکی، ہر انسان مرد وعورت اپنے برے اعمال کا سزا وار اور ذمہ دار خود ہوتا ہے، الا یہ کہ کسی شخص کے فسق اور معصیت میں کوئی دوسرا شخص سبب بنے، تو ایسی صورت میں بدعملی کے مرتکب شخص کے علاوہ اس کی بدعملی کا سبب بننے والا بھی گناہ گار قرار پاتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

(**ولیحملن أثقالهم وأثقالا مع أثقالهم**) (۱)

اس لئے عورت سے متعلق مذکورہ حدیث کا جب تک کوئی معتبر ثبوت نہ ملے، اس وقت تک حدیث کے طور پر یہ بات بیان نہ کی جائے۔ (۲)

---

(۱)سورۃعنکبوت:۱۳

(۲)فتوی ۲۳۴/۲،۶۸

باب سوم

علم وعلماء سے متعلق موضوع روایات

(ا)علم کے بارے میں موضوع روایات

(ب) علماء سے متعلق موضوع روایات

باب سوم

فصل اول

علم کے بارے میں موضوع حدیث

حدیث نمبر ا:"أطلبو ا العلم من المهد إلى اللحد"

ترجمہ: ماں کی گود سے قبر تک علم حاصل کرو۔

اس حدیث پر دور حاضر کے مشہور محقق شیخ عبدالفتاح أبوغدہؒ کا تبصرہ ملاحظہ کریں:

"لیس بحدیث نبوی و إنما هو من کلام الناس، فلا یجوز إضافته

إلى رسول اللهﷺ كما يتناقله بعضهم۔۔۔ و هٰذا الحديث موضوع:"أطلبواالعلم من المهد الى اللحد"مشتهر علىٰ ألسنة كثير۔(۱)

ترجمہ: یہ حدیث نہیں بلکہ یہ لوگوں کا کلام ہے،لہٰذا اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہیں۔۔۔اور یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے۔۔۔اگرچہ لوگوں کی زبانوں پر معروف ہے۔

---

(۱)قیمۃ الزمن عندالعلمائ،ص:۲۳

فصل دوم

علماء سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبر ۱ ''اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں''

"علماءامتي كأنبياءبني إسرائيل"

یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے اس روایت کے بارے میں فقہ حنبلی کے شہرۂ آفاق فقیہ،ابن مفلحؒ لکھتے ہیں:۔

"وأما ما يذكره بعض الناس :"علماء أمتي كأنبياء بنيإسرائيل"فلم أجد له أصلاًولا ذكر له في كتب

المشهور المعروفة ولا يصح۔"(۱)

یعنی اس حدیث کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں اور نہ حدیث کی معروف و مشہور کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی یہ حدیث صحیح ہے۔

ان کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ، علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ جیسے اساطینِ علمِ حدیث نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) الآداب الشرعية:۷۷/۲

(۲) بالترتیب دیکھیں:

-المقاصد الحسنة، رقم: ۲۰۷، ص: ۲۹۳۔

-المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم: ۱۹۶، ص: ۱۲۳ ۔ الدرر المنتثرة: رقم: ۲۹۴

حدیث نمبر ۲: عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا

"النظر إلیٰ وجه العالم عبادة۔"

ترجمہ: عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

اس حدیث کو حافظ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ اور علامہ عجلونیؒ نے موضوع قرار دیا ہے۔(۱)

ملا علی قاریؒ اس حدیث پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ زیر بحث حدیث (یعنی عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے) تو ثابت نہیں ہے لیکن اس کی جگہ امام طبرانیؒ اور امام حاکمؒ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا حضرت عمران بن حصینؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے:۔

"النظر إلیٰ وجه علي عبادة۔"(۲)

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔اگر چہ یہ حدیث بذاتِ خود مختلف فیہ ہے۔چنانچہ امام حاکم نیشاپوریؒ نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دونوں کو صحیح قرار دیا ہے۔(۳)

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

المقاصدالحسنۃرقم: ۱۲۵۱، ص: ۴۵۴

الموضوعات الکبریٰ رقم: ۱۰۰۶، ص: ۲۵۳

کشف الخفاء رقم: ۲۸۱۱، ص: ۲/۳۸۰

(۲) الموضوعات الکبریٰ: رقم: ۱۰۰۶، ص: ۲۵۳

(۳) ملاحظہ ہو "المستدرک علی الصحیحین ۱۱۸/۴

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس کے متعدد طرق ذکر کیے ہیں۔(۱)

جب کہ علامہ ذہبیؒ نے ان دونوں سندوں کو موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

راقم کا خیال ہے کہ شاید کسی سے لفظ ''علی'' میں تصحیف ہوئی ہو، اور اس نے علی کی جگہ عالم ذکر کیا ہو۔

حدیث نمبر ۳: ''عالم کی نیند بھی عبادت ہے۔''

"نوم العالم عبادة"

اس روایت کو بھی محدثین عظامؒ نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"لا أصل له في المرفوع هٰكذا بل ورد "نوم الصائم عبادة"

۔۔۔۔إلیٰ قوله:لکن روی أبو نعیم في "الحلیة" عن سلمان "نوم علی علم خیر من صلوٰۃ علی جهل" ففي الجملة:من کان عالماً فنومه عبادة، لأنه ینوي به النشاط علی الطاعة۔"(۳)

ترجمہ: یہ حدیث ،مرفوع نہیں ہے، بلکہ اس کی جگہ یہ روایت موجود ہے کہ روزہ دار کی نیند عبادت ہے۔لیکن ابونعیمؒ نے اپنی کتاب ''حلیۃ'' میں سلمان سے یہ قول نقل کیا ہے کہ عالم کی نیند جاہل کی نماز سے افضل ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء، رقم:۷۴۷۴، ۴۷۶۳، ص:۱۷۳

(۲) مختصر إستدراک الحافظ الذهبي:ص ۱۵۰۵، رقم:۵۷۳، ۵۷۴

(۳) الموضوعات الکبریٰ، رقم:۱۰۱۶، ص:۲۵۵

حاصل یہ کہ عالم کی نیند فی الجملہ عبادت ہے کیونکہ وہ عبادت میں نشاط پیدا کرنے کی نیت سے آرام کرتا ہے۔''

نیز علامہ سبکیؒ نے اس حدیث کو امام غزالیؒ کی کتاب ''احیاءعلوم الدینؒ'' کی ان احادیث کے ذیل میں ذکر کیا ہے جن کی کوئی سند ان کو نہیں مل سکی۔(۱)

لہٰذا نفس الامر کے اعتبار سے تو یہ کہنا درست ہے کہ عالم کی نیند عبادت ہے، تاہم اس کو بطور حدیث بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

حدیث نمبر ۴: جنت میں بھی لوگوں کو علماء کی ضرورت ہوگی۔

إن أهل الجنة لیحتاجون الی العلماء في الجنة، و ذلک أنهم یزورون اللّٰہ فيکل جمعة، فیقول تمنوا عليّ ماشئتم فیلتفتون إلی العلماء فیقولون :"ماذا نتمنیٰ علیٰ ربنا؟"فیقولون:"تمنوا

كذاو كذا" الحديث۔

ترجمہ: اہلِ جنت ، جنت میں بھی علماء کی طرف محتاج ہونگے، وہ اس طرح کہ اہل جنت ہر جمعہ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے، مانگو مجھ سے جو چاہو، تو اہل جنت علماء کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان سے کہیں گے کہ ہم اپنے رب سے کیا مانگیں؟ تو علماء کرام ان سے کہیں گے کہ فلاں فلاں چیز مانگو۔

اس حدیث کو ملا علی قاریؒ اور علامہ عجلونیؒ نے حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے

---

(۱) طبقات الشافعية الكبرىٰ: ۶/۳۰۷، هذا فصل جمعت فيه جميع ما وقع في كتاب الإحياء من الأحاديث التي لم أجد لها إسناداً

موضوع قرار دیا ہے۔(۱)

حدیث نمبر ۵: جس نے کسی عالم کی زیارت کی اس نے حضور ﷺ کی زیارت۔

"من زار العلماء فكأنما زارني، ومن صافح العلماء فكأنما صافحني ومن جالس العلماء فكأنما جالسني و من جالسني في الدنيا أجلس إليّ يوم القيامة"

ترجمہ: (آپ ﷺ نے فرمایا) جس نے علماء کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زیارت کی اور جس نے علماء سے مصافحہ کیا، گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور جو علماء کے پاس بیٹھا، گویا وہ میرے پاس بیٹھا اور جو دنیا میں میرے پاس بیٹھا، تو قیامت کے دن بھی اس کو میرے پاس بٹھایا جائے گا۔

اس روایت کو متعدد ائمہ حدیث اور اہل تحقیق نے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ شوکانیؒ، حافظ عجلونیؒ اور ابن عرّاق نے اس روایت کو بے بنیاد اور موضوع قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) بالترتیب دیکھیں: المصنوع في معرفة الحديث الموضوع رقم: ۵۳، ص: ۶۴
_کشف الخفائ، رقم: ۶۹۴، ص: ۱/۲۶۰
(۲) بالترتیب دیکھیں: ذیل الموضوعات ص: ۳۵
_المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ص: ۱۸۳، رقم: ۳۳۵۔
_الفوائد المجموعه: رقم ۸۹۰۔
_کشف الخفائ، رقم: ۲۴۹۴، ص: ۲/۲۹۸ _تنزیه الشریعة: ۲/۲۷۲

حدیث نمبر ۶: علماء کے علاوہ سب لوگ مردہ ہیں۔

"الناس كلهم موتىٰ إلا العالمون، والعالمون كلهم هلكىٰ إلا العاملون، والعاملون كلهم غرقىٰ إلا المخلصون، والمخلصون علىٰ خطر عظيم۔"

ترجمہ: لوگ سب کے سب مردہ ہیں سوائے علماء کے اور علماء بھی سب کے سب ہلاکت میں پڑے ہوئے ہیں سوائے عمل کرنے والوں کے، اور عمل والے بھی سب غرق ہیں سوائے اخلاص والوں کے اور اخلاص والے بھی بڑے خطرے میں ہیں۔

یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے، چنانچہ علامہ عجلونیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"قال الصغاني، وهذا حديث مفترى ملحون۔"(۱)

یعنی یہ حدیث من گھڑت ہے۔

دراصل یہ حضور ﷺ کی حدیث نہیں، بلکہ مشہور بزرگ حضرت سہل تستریؒ کا مقولہ ہے، چنانچہ خطیب بغدادیؒ نے اس روایت کو حضرت سہل تستریؒ کا مقولہ قرار دیا ہے۔(۲)

لہٰذا اس کو بطور حدیث بیان کرنا درست نہیں۔

---

(۱) کشف الخفاء، رقم: ۲۷۹۶، ص: ۲/۳۷۴

(۲) إقتضاء العلم العمل، ص: ۲۹، رقم: ۲۲

حدیث نمبر ۷: چالیس دن تک عذاب کا رفع ہو جانا

ایک حدیث ہمارے ہاں عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ جس علاقے میں دین کی محنت اور فکر کے لئے گشت ہوتا ہے، تو وہاں سے چالیس دن تک عذاب کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ تو کسی جگہ نہ مل سکی، البتہ اس سے ملتی جلتی ایک موضوع اور بے بنیاد حدیث ہے جو مندرجہ ذیل ہے:۔

"إن العالم والمتعلم إذا مرّا علیٰ قرية، فإنّ اللّٰه تعالیٰ يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً۔"

ترجمہ: جب عالم اور طالب علم کسی بستی سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس

بستی کے قبرستان سے چالیس دن تک عذاب اٹھا لیتے ہیں۔

یہ حدیث موضوع ہے، چنانچہ ائمہ حدیث میں سے ملا علی قاریؒ اور علامہ عجلونیؒ نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔(۱)

گشت کی فضیلت کے طور پر جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ جہاں دینی محنت کے لیے گشت ہوتا ہے وہاں چالیس دن تک عذاب نہیں آتا، وہ غالباً اسی حدیث سے ماخوذ ہے اور چونکہ یہ حدیث موضوع ہے، اس لیے اس کو بیان کرنا یا اس پر کسی دوسرے دینی کام کرنے والوں کو قیاس کر کے اس کے لیے اس فضیلت کو ثابت کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) بالترتیب دیکھیں: المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص:۶۵، رقم:۵۷۔ كشف الخفاء ومزيل الإلباس، رقم:۶۷۲، ص:۱/۲۵۴

البتہ مذکورہ بالا روایت کے علاوہ ایک دوسری حدیث قدسی ہے جس میں تین کاموں کی وجہ سے آئے ہوئے عذاب کو اٹھا دیے جانے کا ذکر ہے چنانچہ حضرت انس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

> **يقول الله عز وجل "إني لأهم بأهل الارض عذاباً فإذا نظرت إلى عمار بيوتي والمتحابين في وإلى المستغفرين بالأسحار، صرفت عنهم"(۱)**
>
> ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں کسی جگہ کے لوگوں پر عذاب بھیجنے کا ارادہ کر لیتا ہوں لیکن جب وہاں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو میرے گھروں کو آباد کرنے والے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے میرے لیے محبت کرنے والے اور فجر کے قریب (تہجد میں)

استغفار کرنے والے ہیں تو (ان کی وجہ سے) وہ عذاب ان (تمام
لوگوں سے) پھیر لیتا ہوں۔

---

(۱) شعب الایمان، للبیهقي رقم الحدیث ۳/۱۱۸۱۱

باب چہارم

عبادات

اذان

مسجد

نماز

فصل اول

اذان سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبر ا: حضرت بلال ؓ کا اذان میں ''أشهد'' کی جگہ ''أسهد'' (سین کے ساتھ) پڑھنا

"إن بلالا رضی اللہ عنہ کان یقول "أسهد" یجعل الشین سینًا۔"

ترجمہ: حضرت بلال ؓ اسهد پڑھا کرتے تھے۔ یعنی شین کو سین کر کے پڑھتے تھے۔

اس روایت کومتعدد ائمہ حدیث نے بے بنیاد اور موضوع اور حضرت بلال ؓ کی شان میں تنقیص قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ عجلونی ؒ اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فقد ترجمه غير واحد بأنه كان أندیٰ الصوت، حسنه، فصيح الكلام۔۔و لو كانت فيه لثغة لتوفرت الدواعي علیٰ نقلها، و لعابهاأهل النفاق عليه، المبالغون فی التنقيص لأهل الإسلام۔"(۱)

ترجمہ: متعدد علماء تراجم نے حضرت سیدنا بلال ؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ؓ بلند اور خوبصورت آواز والے اور فصیح کلام کے مالک تھے۔۔

-

---

(۱) کشف الخفائ، رقم: ۱۵۲۰، ص: ۱/۵۳۰

اور اگر ان کی زبان میں واقعی کسی قسم کی ہکلاہٹ ہوتی، تو یہ بات کثرت سے روایات میں موجود ہوتی۔(کیونکہ حضرت بلال ؓ آپ ﷺ کے مؤذن تھے۔اور دن میں پانچ وقت اذان دیا کرتے تھے جس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس حدیث یا واقعہ کو تمام یا اکثر صحابہ کرام ؓ نے روایت کیا ہوتا) نیز منافقین جو مسلمانوں کی عیب جوئی اور تنقیص کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے، وہ ضرور اس چیز پر اعتراض کرتے۔

بلکہ علامہ عجلونیؒ، حضرت ابراہیم ناجیؒ کے حوالے سے یہاں تک لکھتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سیدنا بلال ؓ نے کبھی "أسهد" "سین

کے ساتھ نہیں کہا۔(۱)

ان کے علاوہ دیگر محدثین مثلاً علامہ سیوطیؒ، ملاعلی قاریؒ اور حافظ سخاویؒ نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔اور حضرت بلالؓ کی طرف اس عیب کے منسوب ہونے کو خلافِ واقعہ قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) کشف الخفاء، رقم: ۱۵۲۰، ص: ۱/۵۳۰

(۲) بالترتیب دیکھیں:

_الدرر المنتشرة، رقم: ۴۹۸

_الموضوعات الکبریٰ، رقم: ۲۵۷، ص: ۷۳

_المقاصد الحسنة، رقم: ۲۲۱، ص: ۱۲۰

حدیث نمبر ۲: سیدنا بلالؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے سورج طلوع نہ ہونا

حضرت بلالؓ کی طرف منسوب یہ واقعہ بھی عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا بلالؓ نے فجر کی اذان نہیں دی، بلکہ کسی اور صحابیؓ نے اذان دی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا۔ پھر جب حضرت بلالؓ نے دوبارہ اذان دی تب جا کر سورج طلوع ہوا۔

اس واقعہ کو بھی علماء کرام نے بے بنیاد اور موضوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ خیر الفتاویٰ کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

''یہ واقعہ کسی حدیث میں مذکور نہیں، بلکہ یہ لوگوں میں ویسے مشہور ہے اور

اس کی کوئی حقیقت نہیں''۔(۱)

نیز حضرت بلال ؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے سورج کا طلوع نہ ہونا اور طلوع ہونے سے رک جانا ایک صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے اور اس حدیث سے بھی مذکورہ واقعہ کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

إن الشمس لم تحبس لبشرٍ إلا ليوشع عليه السلام ليالي سار إلى البيت المقدس۔(۲)

یعنی سورج کو حضرت یوشع علیہ السلام کے علاوہ کسی انسان کے لئے نہیں روکا گیا۔ جب انہوں نے بیت المقدس کا سفر کیا۔(تو اس سفر میں ان

---

(۱) خیر الفتاویٰ: ۱/۴۸۵

(۲) البداية والنهاية: ۲/۲۳۶

کے لئے سورج کو ٹھہرایا گیا ان کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔)

فائدہ:

کتب حدیث میں سورج کے متعلق ایک دوسرے واقعہ کا ذکر بھی آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں آنحضرت ﷺ نے اپنا سر مبارک رکھا ہوا تھا اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ یہ کیفیت اتنی دیر برقرار رہی کہ اس میں حضرت علی ؓ کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی اور سورج غروب ہو گیا، چنانچہ جب آپ ﷺ سے نزول وحی کی کیفیت جاتی رہی تو آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ سے

دریافت کیا کہ کیا تم نے عصر کی نماز نہیں پڑھی؟ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ''جی ہاں میری نمازِ عصر قضا ہوگئی۔'' تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی ''اے اللہ! علیؓ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا، لہذا اس کے لئے سورج کو لوٹا دے''، تو آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو دوبارہ لوٹا دیا اور حضرت علیؓ نے عصر کی نماز ادا کی۔ جس کے بعد سورج دوبارہ غروب ہوگیا۔

حضرت علیؓ کے لئے حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے سورج کے لوٹنے والے اس واقعے کے ثبوت و عدمِ ثبوت میں علماء حدیث کا اختلاف ہے، چنانچہ امام احمدؒ، امام علی بن مدینیؒ، علامہ ابن الجوزیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن قیمؒ اور علامہ ابن کثیرؒ جیسے جبالِ علم اس واقعے کی صحت اور ثبوت کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی ماقبل مذکور صحیح حدیث (**حبس الشمس لیوشع علیه السلام**) کے معارض و منافی قرار دیتے ہیں۔

جب کہ امام طحاویؒ، امام حاکم نیشاپوریؒ، امام بیہقیؒ، قاضی عیاضؒ، حافظ ابنِ حجرؒ، علامہ سیوطیؒ، حافظ سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے جلیل القدر محدثین اور اساطینِ علمِ حدیث اس واقعے کے ثبوت اور وقوع کے قائل ہیں۔(۱)

یہ حضرات اس حدیث یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے سورج کے لوٹنے والے واقعے کے اور ''**ان الشمس لم تحبس**'' والی حدیث کے درمیان تعارض کو اس طرح دفع کرتے ہیں کہ حضرت یوشع علیہ السلام والی حدیث میں ''**حبسِ شمس**'' یعنی سورج کو روکنے کی نفی ہے، جب کہ حضرت علیؓ کی حدیث میں ''**حبسِ شمس**'' کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ردِ شمس یعنی

سورج کے لوٹانے کا اثبات ہے، اس لیے دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تاہم ہماری زیر بحث حدیث یعنی حضرت بلالؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے فجر طلوع نہ ہونا، اس میں چونکہ ''حبسِ شمس''، یعنی سورج کو روکنے کا ذکر ہے، جو کہ حضرت یوشع علیہ السلام والی حدیث کے خلاف ہے، نیز یہ واقعہ حدیث کی کسی کتاب میں بھی موجود نہیں ہے، اس لیے حضرت بلالؓ کی طرف منسوب یہ واقعہ درست نہیں۔

---

(۱)تفصیل کے لئے دیکھیں:

تحقیق علی هامش المصنوع في معرفةالحديث الموضوع، ص:۲٦٦،از شیخ عبدالفتاح أبو غدة رحمہ اللہ)

حدیث نمبر۳ ''فجر کی اذان میں ''الصلٰوۃ خیر من النوم'' کے جواب میں ''صدقت وبررت'' کہنا

فجر کی اذان میں مؤذن کے "الصلٰوۃ خیر من النوم" کہنے کے جواب میں بعض شوافع مثلاً علامہ نوویؒ اور حافظ سخاویؒ نے ''صدقت وبررت'' کے الفاظ کے ساتھ جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے۔(۱)

اسی طرح فقہائے حنفیہ میں علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابنِ عابدین شامیؒ، نیز ملا علی قاریؒ نے بھی ان الفاظ کے ساتھ مذکورہ کلمات کے جواب دینے کو

مستحب قرار دیا ہے اوران حضرات نے اس کے استحباب کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اذان میں جیسے ''حي علی الصلوۃ'' اور'' حي علی الفلاح'' کے کلمات کوئی ذکر الٰہی نہیں ہے، اس لیے اس کے جواب میں''لاحول ولاقوۃ إلا باالله'' کہا جاتا ہے، اسی طرح موذن کا فجر کی اذان میں''الصلوۃ خیر من النوم'' کہنا بھی کوئی ذکر نہیں ہے کہ اسی کو دہرایا جائے۔ بلکہ یہ ایک خبر ہے،اس لیے اس کے

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

شرح المسلم للنووي علیہ الرحمۃ:۱/۱۶۶

المقاصد الحسنة، رقم:۷۱۶، ص:۲۶۸)

جواب میں ''صدقت وبررت'' کہنا چاہیے۔(۱)

لیکن دوسری طرف شوافع اور احناف ہی کے بعض دیگر ائمہ وفقہاء نے اس کو

رد کیا ہے اور''الصلٰوۃ خیر من النوم'' کے جواب میں انہی الفاظ کے دہرانے کو مسنون قرار دیا ہے۔

چنانچہ حافظ سخاویؒ کے استاد اور شیخ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فجر کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کے جواب میں''صدقت وبررت'' کہنے کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

”**لاأصل له**“(۲)

یعنی ان الفاظ کی کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے۔

اسی طرح فقہاءِ حنفیہ میں سے علامہ رافعیؒ نے علامہ شامیؒ کے 'صدقت وبررت' کے الفاظ کومستحب قرار دینے پر اعتراض اور رد کیا ہے۔ان کے اعتراض کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ”**الصلوۃ خیر من النوم**“ کے الفاظ کا جواب ”**صدقت وبررت**“ کی بجائے انہی الفاظ یعنی”**الصلوۃ خیر من النوم**“کے ذریعے دیناہی افضل اور مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:

الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۸۲

مرقاۃالمفاتیح: ۲/۳۴۹

(۲)**التلخیص الحبیر: ۱/۳۷۸**

”**إذاسمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول**“(۱)

یعنی جب موذن کی اذان سنوتواسی طرح کےکلمات سے جواب دو۔

اس حدیث کا تقاضاہے کہ مؤذن اذان میں جو الفاظ کہےتو جواب دینے والا جواب میں اذان کے انہی کلمات کودہرائے۔

البتہ ”**حي علی الصلوۃ**‘ اور **حي علی الفلاح**‘‘ کے جواب میں ”**لاحول ولا قوۃ الا باللہ**“ کہنا مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔(۲)

لہذا اس حدیث پرعمل کرتے ہوئے فجر کی اذان میں’’**الصلوۃ خیر من النوم**“

کا جواب ''صدقت وبررت'' کے الفاظ کی بجائے انہی الفاظ کو دہرا کر دینا چاہیے۔ کیونکہ صدقت وبررت کے الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ بعض اسلاف سے منقول ہیں۔(۳)

احناف وشوافع کے فقہاء ومحدثین کی ان باہم متعارض روایات میں کس جہت کو ترجیح دی گئی ہے؟ اس کے لیے جدید فتاوی جات کی طرف مراجعت کی گئی، چنانچہ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے حافظ ابنِ حجرؒ اور علامہ رافعیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

''الصلوہ خیر من النوم'' کے جواب میں ''صدقت وبررت وبالحق

---

(۱)صحیح مسلم:۱/۱٦٦

(۲)ملاحظہ ہو صحیح مسلم:۱/۱٦۷

(۳)تقریرات رافعي علی هامش ردالمحتار: ۲/۸۲

نطقت'' کہنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ بعض سلف سے منقول ہے بہتر یہ ہے کہ جواب میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' ہی کہا جائے۔(۱)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ ''صدقت وبررت'' کے الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں، لہذا اس کی جگہ ''الصلوۃ خیر من النوم'' کا جواب انہی الفاظ سے دیا جائے

کیونکہ ایک صحیح بلکہ متفق علیہ حدیث میں مؤذن کے اذان کے جواب میں انہی الفاظ کو دہرانے کا حکم ہے۔

حدیث نمبر ۴ اذان کے بعد والی دعا میں ’’الدرجة الرفیعة‘‘ کے الفاظ

اذان کے بعد دعاءِ وسیلہ میں ’’ الدرجة الرفیعة ‘‘ کے الفاظ بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ موضوع اور من گھڑت ہیں۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں:۔

’’ولیس في شي من طرقه ذکر ’’الدرجة الرفیعة‘‘(۲)

یعنی اذان کے بعد دعا والی روایات کے کسی طریق یا سند میں ’’الدرجة الرفیعة‘‘ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

نیز حافظ سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ نے بھی ان الفاظ کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔(۳)

---

(۱)احسن الفتاوی: ۱۰/۲۰۶

(۲)التلخیص الحبیر: ۱/۳۷۶

(۳)بالترتیب دیکھیں:

المقاصد الحسنة، رقم: ۴۸۴، ص: ۲۱۹۔

الموضوعات الکبری، رقم: ۴۶۸، ص: ۱۲۲

فصل دوم

مسجد سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبر ۱: مسجد میں باتیں کرنے سے نیکیوں کا ختم ہونا

’’ الحدیث في المسجد یأکل الحسنات کما تأکل النار

الحطب۔"

ترجمہ: مسجد میں باتیں کرنے سے نیکیاں اس طرح ختم ہوجاتی ہیں، جیسے آگ خشک لکڑی کوجلا دیتی ہے۔

بعض روایات میں "کماتأکل البھیمة الحشیش" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کواس طرح کھاجاتا ہے جیسے چوپائے گھاس کو کھاجاتے ہیں۔

یہ روایت اگر چہ بعض تفاسیر میں منقول ہے، لیکن محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل نے اس روایت کوموضوع اور بے اصل قرار دیا ہے، چنانچہ ملاعلی قاریؒ، حافظ زین الدین عراقیؒ، علامہ عجلونیؒ اور علامہ سبکیؒ جیسے ائمہ حدیث و اہلِ تحقیق نے اس حدیث کوموضوع قرار دیا ہے۔(۱)

---

(۱) بالترتیب دیکھیں المصنوع في معرفة الحديث الموضوع: رقم: ۱۰۹، ص: ۹۲۔

۔المغني عن حمل الأسفار، رقم الحديث: ۴۱۰، ۱/۱۰۷۔

۔كشف الخفاء و مزيل الإلباس، رقم: ۱۱۲۱

۔طبقات الشافعية الكبرىٰ: ۴/۱۴۵

علامہ سفارینی حنبلیؒ اس روایت کومن گھڑت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"و أما مااشتهر على الألسنة من قولهم: إن النبى ﷺ قال: الحديث في المسجد وبعضهم يزيد۔ المباح ۔ يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش، و بعضهم يقول: كماتأكل النار الحطب ۔فهو كذب لاأصل له"۔(۱)

ترجمہ: لوگوں کی زبانوں پر یہ حدیث جومشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں باتیں کرنا (اور بعض نے تو یہ کہا ہے کہ مسجد میں مباح گفتگو کرنا) نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے جانور گھاس کو یا آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے تو یہ جھوٹ ہے اوراس کی کوئی بنیاد نہیں۔

ماضی قریب کے مشہور محقق عالم شیخ عبدالفتاح اُبو غدہؒ اس حدیث کے موضوع ہونے پر کتبِ فقہ کی نصوص وعبارات سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و قد حقق العلاّمة الشيخ ابن عابدين في حاشيته "ردالمحتار" من كتب السادة الحنفية، جواز الكلام المباح في المسجد، و استدل بأن أهل الصُفة كانوا يلازمون المسجد ، و كانوا ينامون و يتحدثون فيه و ساق الشيخ ابن حزم في كتابه۔"المحلى" ۴:۲۴۱۔ الأدلة الناهضة على جواز التحدث فيالمسجدبما لا إثم فيه و هذاو ذاک مما يؤ كدبطلان

---

(۱)غذاء الألباب شرح منظومة الآداب: ۲/۲۴۲

هذاالحديث۔"(۱)

یعنی علامہ ابن عابدین شامیؒ نے "ردالمحتار" (۲) میں اور علامہ ابن حزم نے المحلی میں قوی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مسجد میں گفتگو اور کلام کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کسی گناہ کا کلام نہ ہو۔

لہذا ان فقہی عبارات سے بھی اس حدیث (یعنی **الحدیث فی المسجد۔۔۔الخ**) کے باطل ہونے کی تائید ہوتی ہے۔حاصلِ کلام یہ کہ مسجد میں مباح گفتگو کرنا جائز ہے(اگرچہ خلافِ اولیٰ ہے)اورزیر بحث حدیث موضوع ہے۔

حدیث نمبر ۲:مؤمن مسجد میں ایسے خوش ہوتا ہے جیسے تالاب میں مچھلی۔

" المؤمن في المسجد كالسمك فيالماء والمنافق في المسجد كالطير في القفص۔"

ترجمہ:مؤمن مسجد میں ایسے خوش ہوتا ہے ، جیسے مچھلی پانی میں۔اور منافق مسجد میں ایسے تنگ ہوتا ہے،جیسے پرندہ پنجرے میں۔

یہ حدیث بھی عام طور پرمسجد کے فضائل یامسجد میں بیان سننے کے لیے بطورِ ترغیب بیان کی جاتی ہے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ حضور ﷺ کی حدیث نہیں ہے، بلکہ درحقیقت مشہور بزرگ حضرت مالک بن دینارؒ سے اس سے ملتا جلتا کلام منقول ہے۔

---

(۱)تحقیق از شیخ عبدالفتاح أبو غدہ رحمہ اللہ علی المصنوع فیمعرفة الحدیث الموضوع،رقم الحدیث:۱۰۹،ص:۹۲

(۲)ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوة، مطلب فیالمسجد:۲/۵۲۷

چنانچہ علامہ عجلونیؒ لکھتے ہیں:۔

"لم أعرفه حديثاً، وإن اشتهر بذلك، ويشبه أن يكون من كلام

مالک بن دینار عليه الرحمة، فقد نقل المناوي عنه أنه قال: المنافقون في المسجد كالعصافير في القفص"۔(۱)

ترجمہ: اگرچہ یہ کلام حدیث کے طور پر مشہور ہے، تاہم مجھے ایسی کسی حدیث کا علم نہیں ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت مالک بن دینارؒ کا کلام ہو کیونکہ مناویؒ نے اُن سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:''منافق مسجد میں ایسے ہوتے ہیں جیسے پرندے پنجروں میں''۔

لہٰذا اس کو بطورِ حدیث بیان کرنا یا اس کے حدیث ہونے کا تأثر دینا جائز نہیں ہے۔

---

(۱) کشف الخفاء، رقم الحدیث: ۲۶۸۹، ص: ۲/۳۵۱

فصل سوم

نماز کے بارے میں موضوع روایات

حدیث نمبر ۱: نماز مؤمن کی معراج ہے۔

"الصلوۃ معراج المؤمن"

یہ حدیث حضور ﷺ کی حدیث نہیں، متعدد اہلِ علم حضرات نے اپنی تصانیف میں اس کو ذکر کیا ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے، لیکن کسی نے حضور ﷺ کی حدیث کے طور پر اس کو ذکر نہیں کیا، بلکہ بطورِ ضرب المثل یا بطورِ مقولہ بیان کیا ہے۔ مثلاً مشکوۃ المصابیح میں ایک حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا:۔

"إن أحدکم اذا قام في الصلوۃ فإنما یناجی ربه وإن ربه بینه وبین القبلۃ۔"

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو درحقیقت وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب، اس کے اور قبلہ کے درمیان میں ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

"أی یخاطبه بلسان القال کالذکر و الدعائ، وبلسان الحال کأنواع أحوال الانتقال، و لذا قیل :الصلوۃ معراج المؤمن ---الخ"(۱)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح، باب المساجد و مواضع الصلوۃ: ۲/۴۵۲

ترجمہ: یعنی اپنے رب سے مناجات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں بندہ زبانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے جیسا کہ ذکر اور دعا کی

حالتوں میں۔اور بزبانِ حال بھی اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتا ہے جیسا کہ نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونا، اسی وجہ سے نماز کومؤمن کا معراج کہا گیا ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسیؒ نے بھی اس کو بطور مقولہ ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

وقدذكروا "أن الصلوة معراج المؤمن" (۱)

لہٰذا نماز کا مؤمن کے لیے معراج ہونا اگرچہ اپنے معنی کے اعتبار سے درست ہے، لیکن اس کو حدیث کے طور پر بیان کرنا جائز نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جاری ہونے والے فتاوٰی میں بھی اس کے حدیث ہونے کی نفی کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ عبارت کسی بزرگ کا مقولہ ہے، حدیث نہیں ہے۔(۲)

حدیث نمبر ۲: قضاءِ عمری کی روایت

"من قضى صلوة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان، كان ذلک جابراًلكل صلوةٍفاتتهفي عمرهالى سبعين سنة"

ترجمہ: جوشخص رمضان کے آخری جمعہ کوایک قضاء فرض ادا کرلے،

---

(۱)روح المعاني، سورة المؤمنون، الاية:۱۱۸

(۲) آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند،فتوی نمبر:۴۷-۴۷/د،زیرعنوان:حدیث وسنت

تو یہ ایک نماز اس کی ستر سالوں کی تمام فوت شدہ نمازوں کے لیے کافی ہوجائے گی۔

اس روایت کے بارے میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

"باطل قطعاً"(۱)

یعنی یہ حدیث قطعی طور پر باطل ہے۔

آگے انہوں نے اس حدیث کے باطل ہونے کی وجہ بھی تحریر کی ہے کہ یہ روایت اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو سالوں کی فوت شدہ نمازوں کے قائم مقام ہو سکے۔

لہٰذا یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔

حدیث نمبر ۳: "دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنے اور اس کے بعد دعا کرنے کی فضیلت"

"من أحدث و لم يتوضأ فقد جفاني، و من توضأ و لم يصلِ فقد جفاني، و من صلى و لم يدعني فقد جفاني، و من دعاني فلم أجبه فقد جفوته و لست برب جاف۔"

ترجمہ: جس کا وضو ٹوٹ جائے اور پھر وہ وضو نہ کرے، تو اس نے ظلم کیا اور جو وضو کرے لیکن (وضو کی دو رکعت) نماز نہ پڑھے، تو اس نے ظلم کیا اور جو تحیۃ الوضو پڑھ لے لیکن مجھ سے دعا نہ مانگے، تو اس نے ظلم کیا، اور

---

(۱) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم الحديث: ۳۵۸، ص: ۱۹۱

پھر جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اسے قبول نہ کروں، تو میں نے اس پر ظلم کیا، جب کہ میں ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

یہ حدیث موضوع ہے، علامہ عجلونیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔(۱)

حدیث نمبر ۴: استخارہ کے بارے میں روایت

"ماخاب من استخار و لا ندم من استشار۔"

ترجمہ: استخارہ کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوگا اور مشورہ کرنے والا کبھی پشیمان نہ ہوگا۔

اس روایت کے بارے میں ائمہ حدیث کی آراء مختلف ہیں، بعض حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے جب کہ اکثر ائمہ حدیث نے اس کو موضوع کی بجائے ضعیف قرار دیا ہے۔

باوجودیکہ یہ روایت اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے تاہم چونکہ اس کا ضعف اس درجے کا شدید ضعف ہے کہ اس کو بطورِ حدیث بیان کرنا جائز نہیں ہے۔اس وجہ سے اس حدیث کو اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے یہ بات ذکر کی گئی تھی کہ اعمال کے فضائل میں ضعیف روایت کا سہارا لینا اس وقت جائز ہے، جب کہ اس روایت میں تین شرائط موجود ہوں، جن میں سے پہلی اور متفقہ شرط یہ تھی کہ ضعیف روایت کو فضائل میں بیان کرنا اس وقت جائز ہوگا، جب کہ اس روایت کا ضعف شد ید

---

(۱) کشف الخفاء، رقم الحدیث: ۲۳۶۰، ص: ۲/۲۶۱

نہ ہو مثلاً کوئی حدیث تنہا ایک ایسا راوی روایت کرتا ہو، جو کذاب یا متہم بالکذب ہو تو

اس کی روایت فضائل میں بھی بیان نہیں کی جاسکتی۔(۱)

یہ شرط زیرِ بحث روایت میں مفقود ہے، کیونکہ جن ائمہ حدیث نے اس حدیث کوضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے بھی سخت الفاظ میں اس حدیث کی تضعیف کی ہے، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابنِ حجرؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"أخرجه الطبراني علیہ الرحمۃ في الصغیر بسندواہٍ جداً۔"(۲)

علامہ عینیؒ اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"لم یروہ عن الحسن إلا عبدالقدوس ۔۔۔۔۔۔ و عبدالقدوس أجمعوا علی ترکہ و کذبہ الفلاس علیہ الرحمۃ۔"(۳)

یعنی یہ حدیث تنہا عبدالقدوس نے حسن سے روایت کی ہے اور عبدالقدوس محدثین کے نزدیک بالاجماع متروک ہے، جب کہ فلاسؒ نے اس کی تکذیب کی ہے۔

علامہ ہیثمیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"رواہ الطبراني في الأوسط و الصغیر من طریق عبدالسلام بن

---

(۱) ملاحظہ ہو: مقدمہ ضعیف حدیث بیان کرنے کی شرائط

(۲) فتح الباری: ۱۱/۱۸۸

(۳) عمدۃ القاری، کتاب التهجد: ۷/۳۲۴

عبدالقدوس و کلاهما ضعیف جداً۔"(۱)

علامہ عجلونیؒ نے بھی اس روایت پر یہی تبصرہ کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"وفي سنده ضعف جداً۔"(۲)

محدثین کرامؒ کی ان عبارات میں اس روایت پر جن الفاظ کے ذریعے جرح کی گئی ہے (مثلاً واہٍ جداً، ضعیف جداً یا علامہ عینیؒ نے جو عبدالقدوس کی تکذیب کی ہے) ان الفاظ کو علماء جرح وتعدیل نے جرح کے ان مراتب میں شمار کیا ہے جن کی وجہ سے حدیث نا قابل روایت ہوجاتی ہے۔

چنانچہ الدکتور محمود الطحان، الفاظِ جرح کے مراتب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"المرتبة الثالثة۔ ثم ما صرح بعدم كتابة حديثه و نحوه مثل "فلان لايكتب حديثه" أو "لا تحل الرواية عنه" أو "ضعيف جداً" أو "واهٍ" بمرةٍ۔

المرتبة الرابعة ۔ ثم مادل على إتهامه بالكذب أو نحوه مثل "فلان متهم بالكذب " أو" متهم بالوضع"۔۔۔۔ فلا يحتج بحديثهم، ولا يكتب ولا يعتبر به، لأنه لا يصلح لأن يتقوىٰ أو يقوىٰ غيره۔"(۳)

اس عبارت میں مصنف نے الفاظ جرح کے مراتب میں سے تیسرا اور چوتھا مرتبہ ذکر کیا ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد، رقم الحديث: ۱۳۱۵۷

(۲) كشف الخفاء، رقم الحديث: ۲۲۰۵، ص: ۲/۲۱۶

(۳) أصول التخريج و دراسة الأسانيد، ص: ۱۴۵، ۱۴۴

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر "ضعیف جداً" یا "واہٍ" جیسے الفاظ سے جرح کی جائے اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ کسی حدیث کی سند کے راوی پر کذب یا حدیث کے گھڑنے کی تہمت ہو، تو ان مراتب کی حدیث سے استدلال کرنا یا اس کو لکھنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار کیا جائے گا۔

چونکہ زیر بحث حدیث (ما خاب من استخار) پر بھی محدثینؒ نے اسی قسم کی جرح کی ہے، یعنی حافظ ابن حجرؒ نے واہٍ جداً، علامہ عینیؒ نے "اجمعوا علی ترکه"، علامہ ہیثمیؒ نے "ضعیف جداً" اور حافظ عجلانیؒ نے "ضعف جداً" کے الفاظ کے ساتھ اس روایت کی تضعیف کی ہے، جس کی وجہ سے یہ حدیث روایت کرنے کے قابل نہیں رہ جاتی، اسی وجہ سے اس روایت کو اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس روایت کو بھی بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

یہ حدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اصلاحی خطبات کے جلد نمبر 10 کے ایک وعظ بعنوان استخارہ کا مسنون طریقہ "میں بیان کی ہے اِس بارے میں جب اُن کو اِس حدیث پر محدثین کی مذکورہ جرح سے مطلع کیا گیا تو حضرت اقدس نے کمالِ شفقت اور وسعتِ ظرفی سے اِس جرح کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اِن حضرات کا اتباع اور اِن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ چنانچہ اُن سے ہونے والی خط وکتابت مندرجہ ذیل ہے۔

حدیث نمبر ۵: بے نمازی کی نحوست

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے اپنے گھر کی بے برکتی کی شکایت کی۔آپ ﷺ نے اس کو اپنے گھر پر پردہ لٹکانے کا حکم دیا تعمیلِ ارشاد کے کچھ دنوں بعد وہ صحابی ؓ تشریف لائے اورانہوں نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ اس پردہ لٹکانے کے بعد میرے گھر کی بے برکتی ختم ہوگئی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے راستے سے ایک بےنمازی گزرتا تھااور تمہارے گھر پر پردہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نظر تمہارے گھر کے اندر پڑ جاتی تھی جس کی وجہ سے تمہارے گھر میں بے برکتی تھی۔اب پردے کی وجہ سے اس کی نظر تمہارے گھر کے اندر پڑنے سے رک گئی۔اس لیے وہ بے برکتی ختم ہوگئی۔

یہ روایت بھی خود ساختہ اور من گھڑت ہے۔اس لیے کہ اس مبارک اور پاکیزہ زمانے میں اس قسم کے بےنمازی کا کوئی تصور نہیں تھا۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

ولقد رأیتنا ومایتخلف عنھا(أی الجماعة) الامنافق معلوم النفاق۔(صحیح مسلم بحوالہ فضائل نماز ص ۵۱)

کہ ہم تو اپنا حال یہ دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہوتا تو وہ جماعت کی نماز سے رہ جاتا،ورنہ کسی کو جماعت چھوڑنے کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی۔

لہذا اس روایت کو بیان کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

باب پنجم

معاشرت

حدیث نمبر ۱: مسلمان کو خوش کرنے کی فضیلت

"من سرّ المؤمن فقد سرّني و من سرّني فقد سرّ اللہ۔"

ترجمہ: جس نے کسی مؤمن کو خوش کیا، تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا۔

یہ روایت بھی من گھڑت ہے۔ ائمہ حدیث نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حبانؒ سے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

"میں نے جعفر بن ابان نامی ایک شخص کو سنا کہ وہ کسی کو یہ روایت لکھوا رہے تھے، تو میں نے اس کو کہا "اے بزرگوار! اللہ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہ بولو" تو اس نے مجھے کہا کہ "تم لوگ میری عالی سند کی وجہ سے مجھ سے حسد کرتے ہو" تو میں نے اس کو بادشاہ کے پاس لے جانے اور وہاں اس کی شکایت لگانے کی دھمکی دی اور اس کو ڈرایا دھمکایا، حتیٰ کہ میں نے اس سے قسم لے لی کہ آئندہ وہ مکہ مکرمہ میں حدیث نہیں بیان کرے گا۔" (اس کے بعد میں نے اس کو چھوڑا)(۱)

نیز حافظ سیوطیؒ، علامہ عجلونیؒ اور دیگر محدثین نے بھی اس روایت کو موضوع

---

(۱)المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم الحديث: ۳۴،ص: ۱۸۵

قرار دیا ہے۔(۱)

حدیث نمبر ۲: مسلمان کے جوٹھے میں شِفاء ہے۔

"سور المؤمن شفائ۔"

یہ روایت مشہور ومعروف ہے۔لیکن یہ روایت بھی من گھڑت اور موضوع ہے۔محدثین عظامؒ نے اس کو بطورِ حدیث روایت کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ علامہ عجلونیؒ لکھتے ہیں:۔

"إن هذا ليس بحديث و زعم أنه حديث أو إيهام أنه حديث ، كذب على رسول الله ﷺ"(۲)

ترجمہ: یہ روایت حدیث نہیں ہے اور اس کو حدیث سمجھنا یا اس کے حدیث ہونے کا تأثر دینادراصل رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا ہے۔

علاوہ ازیں ملاعلی قاریؒ نے بھی اس روایت کوموضوع قرار دیا ہے۔(۳)

لہذا اس حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف درست نہیں ہے۔تاہم حضرت عبداللہ

بن عباسؓ سے مندرجہ ذیل قول منقول ہے:۔

---

(۱)بالترتیب دیکھیں:

_تحذير الخواص من أكاذيب القصاص، ص: ۱۳۵۔

_كشف الخفائ، رقم الحديث: ۲۴۹۸،ص: ۲/۲۹۹

_اللؤلؤ المرصوع، رقم الحديث: ۵۲۹

(۲) كشف الخفاء، رقم الحديث: ۱۴۰۵

(۳) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم الحديث: ۱۴۴، ص: ۱۰٦

من التواضع أن يشرب الرجل من سور أخيه

یعنی آدمی کے تواضع کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کا جوٹھا پانی پی لے۔ لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اس قول کے منسوب ہونے پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔ اور اس کی سند میں نوح نامی راوی کو کذاب اور متروک کہا گیا ہے۔ (۱)

حدیث نمبر ۳: ناخن کاٹنے کا کوئی خاص مسنون طریقہ ثابت نہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کاٹنے سے ابتداء کی جائے۔ پھر اس کے ساتھ درمیانی انگلی اور اس طرح آخر تک دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا ناخن کاٹ کر پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے تک ترتیب وار ناخن کاٹے جائیں، اور سب سے آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے۔

یہ طریقہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کو ناخن کاٹنے کا مسنون طریقہ قرار دینا درست نہیں، البتہ بعض اشعار میں مذکورہ بالا طریقہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن حفاظِ حدیث نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اس کی نسبت کو بھی موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ (۲)

دیکھیں الفوائد المجموعه، رقم ۵۲۹/۷۱

اور الأسرار المرفوعه، ص: ۲۱۴، تحقيق، محمد بن لطفي الصباغ
(۲) کشف الخفاء، ۴۹۹/۲

ائمہ حدیث نے ناخن کاٹنے کے لیے کسی بھی مخصوص طریقے کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے، چنانچہ حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:۔

"قص الأظفار، لم يثبت في كيفيته و لا في تعيين يوم له عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شئي۔"(۱)

یعنی ناخن کاٹنے کی کیفیت یا اس کے لیے کسی دن کے متعین ہونے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں۔

نیز علامہ عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ اور دیگر محدثین نے بھی حافظ سخاویؒ کی تائید کی ہے۔(۲)

لہٰذا جس طریقے سے بھی ناخن کاٹے جائیں سنت ادا ہو جائے گی۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:۔

"قص الأظفار، أی تقليمها و تحصيل سنيتها بأي كيفية كانت۔"(۳)

یعنی ناخن جس طریقے سے بھی کاٹے جائیں، تو اس کی سنت ادا ہو جائے گی۔

---

(۱) المقاصد الحسنة، رقم الحديث: ۲۷۷، ص: ۳۱۳
(۲) بالترتیب دیکھیں:
_كشف الخفائ، رقم: ۱۸۷۵، ۲/۱۱۳۔
_المصنوع، رقم الحديث: ۲۱۵، ص: ۱۳۰۔

_اللؤلؤالمرصوع،رقم الحديث: ۳۷۱

(۳)بذل المجھود: ۱/۱۳۱

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر چہ حافظ سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ نے ان مذکورہ بالاعبارات میں جہاں ناخن کاٹنے کے لیے کسی مخصوص طریقے کی نفی کی ہے وہاں ان حضرات نے ناخن کاٹنے کے لیے کسی مخصوص دن کی تعیین کی نفی بھی کی ہے کہ آپ ﷺ سے ناخن کاٹنے کا کوئی مخصوص دن بھی ثابت نہیں۔لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ان حضرات نے اگر چہ ناخن کاٹنے کے لیے کسی دن کے مخصوص ہونے کی نفی کی ہے تاہم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ نے جمعہ کے دن ناخن کاٹنے کو سنت قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے حدیث بھی نقل کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

”وعند البیھقي مرسلاً کان علیه الصلوۃ والسلام یقلم أظفارہ ویقص شاربه قبل الجمعة“(۱)

خلاصہ یہ کہ جمعہ کے دن ناخن کاٹنا مسنون ہے،لیکن کاٹنے کی کوئی مخصوص کیفیت مسنون نہیں، بلکہ جس ترتیب سے بھی ناخن کاٹے جائیں،سنت ادا ہو جائے گی۔

(۱)التعليق على بذل المجهود: ۱/۱۳۱

باب ششم

متفرق روایات

حدیث نمبر۱: ”من استوىٰ يوماه فهو مغبون“

ترجمہ: جس کے دو دن برابر رہے، وہ خسارے میں ہے۔

یعنی اعمالِ خیر کے اعتبار سے جس کا آج کا دن گزشتہ کل سے اچھا نہ ہوا، بلکہ آج کا دن اور گزشتہ کل کا دن برابر رہے، تو یہ شخص خسارے میں ہے۔

یہ روایت درحقیقت کوئی حدیث نہیں، بلکہ ایک بزرگ عبدالعزیز بن ابی روّاد المکیؒ کا خواب ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ نے ان کو اس بات کی وصیت کی۔

چنانچہ علامہ سبکیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

”هذا رؤيا نوم عن عبدالعزيز بن أبي روّاد أنه رأى النبي ﷺ في النوم فسأله، فقال ذلک۔“(۱)

ترجمہ: یہ عبدالعزیز بن ابی روّاد کا خواب ہے کہ انہوں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو انہوں نے آپ ﷺ سے کوئی نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے ان کو یہ نصیحت فرمائی۔

دیگر محدثین مثلاً ملا علی قاریؒ، حافظ زین الدین عراقیؒ اور علامہ قاوقجیؒ نے

(۱)طبقات الشافعية الكبرى: ۶/۳۷۶

بھی اس روایت کو حدیث کی بجائے عبدالعزیز بن ابی روّاد کا خواب قرار دیا ہے۔(۱)

عبدالعزیز بن ابی روّاد، اگرچہ مؤرخین کے نزدیک عابد، صالح اور صاحب ورع وتقوی بزرگ تھے۔(۲) تاہم ان صفات سے متصف ہونے کے باوجود محض خواب میں آپ ﷺ سے کوئی بات سن لینے سے اس بات کو حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ شیخ عبدالفتاح اُبوغدہؒ اس حدیث پر تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"و من المقرر عندا لعلماء أن الرؤيا للنبي ﷺ لا يثبت بها حكم شرعي، أيّاً كان الرائي من الناس ، فبالأولىٰ أن لا يثبت بها حديث نبوي۔"(۳)

یعنی اہل علم کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کر لینے سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، تو خواب میں آپ ﷺ اگر کوئی بات ارشاد فرمائیں، تو اس کو حدیث بطریق اولیٰ نہیں کہا جا سکتا۔

لہٰذا اس روایت کو بطورِ حدیث بیان کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:۔

المصنوع، رقم الحدیث: ۱۱۳، ص: ۱۷۴

کشف الخفاء، رقم الحدیث: ۲۴۰۶

اللؤلؤ المرصوع، رقم الحدیث: ۵۳۰

(۲)تهذيب التهذيب:۶/۳۳۸

(۳)حاشية المصنوع تحت حديث المرقوم ۱۳۱، ص:۱۷۴

حدیث نمبر ۲ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

"الدنیامزرعة الآخرة"

یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔اس روایت کے بارے میں حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں:۔

"لم أقف عليه"(۱)

اسی طرح امام زرقانیؒ بھی اس حدیث کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"لاأعرفه"(۲)

دیگر محدثین مثلاً ملاعلی قاریؒ اور قاوقجیؒ نے بھی اسی حدیث کے ثبوت سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔(۳)

اس حدیث کے بارے میں محدثینؒ نے جوعدم واقفیت یالاعلمی کا اظہار کیا ہے،اس حوالے سے علمِ اصولِ حدیث کے ایک قاعدے کی وضاحت ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ جب معروف ائمہ حدیث اور حفاظ میں سے کوئی محدّث ،کسی حدیث کے بارے میں مذکورہ بالا الفاظ یعنی"**لاأعرفه**" یا"**لم أقف عليه**" یا"**لم أجد له أصلا**" وغیرہ الفاظ کے ذریعے اس حدیث سے ناواقفیت کا اظہار کرے۔اورکوئی دوسرامحدّث

----

(۱)المقاصد الحسنة، رقم الحدیث:۷۹۴

(۲)مختصر المقاصد الحسنة رقم:۷۶۴

(۳)دیکھیں :المصنوع ، رقم الحدیث:۱۳۵، ص:۱۰۱۔اللؤلؤ المرصوع،رقم :۲۰۴

ان کے اس قول پر نکیر یا رد نہ کرے، تو یہ الفاظ اس حدیث کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ائمہ حدیث کا کسی حدیث کے بارے میں عدمِ علم، اس حدیث کے عدمِ وجود کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اس قاعدے کو ذکر کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ رقم طراز ہیں:۔

"إذا قال الحافظ المطّلع الناقد فيحديث " لا أعرفه" أعتمد ذلک في نفيه ۔۔۔أما بعد التدوين والرجوع إلى الكتب المصنّفة فيبعد عدم الاطلاع من الحافظ الجهبذ على مايورده غيره، فالظاهر عدمه۔"(۱)

ترجمہ: جب کوئی حدیث کا حافظ، اس کے رواۃ واسناد کے احوال پر مطلع اور محقق، کسی حدیث کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرے، تو یہ اس حدیث کی نفی کی دلیل ہوتی ہے، کیونکہ علم حدیث کی تدوین اور اس فن کی تصانیف کی طرف دیکھتے ہوئے یہ امر بہت بعید ہے کہ ایک محقق حافظِ حدیث کو کسی ایسی حدیث کی اطلاع نہ ہو، جس کو دیگر محدثینؒ نے ذکر کیا ہو، لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ وہ حدیث ثابت نہیں ہوگی۔

اس تفصیل کے بعد اب زیر بحث حدیث کی طرف دیکھیں، تو اس حدیث کے بارے میں جن علماء نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے یعنی حافظ سخاویؒ اور امام زرقانیؒ تو

ان دونوں محدثین کو اہلِ تحقیق نے محدثین کی اس فہرست میں گردانا ہے، جن کی کسی حدیث سے ناواقفیت اس حدیث کے عدم وجود اور اس کے موضوع ہونے کی دلیل

---

(۱)تدریب الراوي، النوع الثاني والعشرون: ۱/۱۶۱

ہوتی ہے۔(۱)

لہٰذا اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث یعنی ''الدنیا مزرعۃ الآخرۃ'' موضوع ہے اور اس کو بطور حدیث بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۳: دنیا کی مذمت

''الدنیا جیفۃ و طلابھا کلاب۔''

ترجمہ: دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔

یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ یہ موضوع حدیث ہے، چنانچہ علامہ عجلونیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قال الصغاني ''موضوع أقول وإن كان معناه صحيحا لكنه ليس بحديث۔''(۲)

یعنی یہ روایت اپنے مفہوم کے اعتبار سے اگر چہ درست ہے کہ دنیا کی حقیقت ایسی ہی ہے، تاہم یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔

البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی طرح کا ایک قول منقول ہے۔ چنانچہ ان کا ارشاد ہے:۔

---

(۱)المصنوع، ص:۲۷، ملاحظہ کریں،شذرات في بيان بعض الاصطلاحات، از شیخ عبدالفتاح أبو غدة علیہ الرحمہ

(۲)کشف الخفاء، رقم الحديث:۱۳۱۳، ص:۱/۴۶۴

"الدنيا جيفة، فمن أرادها فليصبر على مخالطة الكلاب۔"

(۱)

ترجمہ: دنیا مردار ہے، لہٰذا جو شخص اس کا طالب ہوگا اسے کتوں کے ساتھ اختلاط کو برداشت کرنا پڑے گا۔

حضرت علیؓ کا یہ قول اگر چہ مذکوہ بالا روایت "الدنيا جيفة و طلابها كلاب" کے ہم معنی ہے، تاہم یہ بھی ان کا اپنا قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کو بطورِ حدیث بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۴ وطن سے محبت ایمان کی علامت ہے۔

"حب الوطن من الايمان"

اس روایت کے بارے میں حافظ سخاویؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ زرکشیؒ لکھتے ہیں:۔

"لم أقف عليه"(۲)

یعنی ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں، اور گزشتہ اوراق میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ مذکورہ بالا حفاظِ حدیث اگر کسی روایت کے بارے میں "لم أقف عليه" یا

---

(۱)الجد الحثیث، رقم الحدیث: ۱۴٦، ص: ۹ ۳نیز کشف الخفاء، رقم الحدیث : ۱۳۱۳، ص: ۲٦۴/۱

(۲)بالترتیب دیکھیں:

_المقاصد الحسنة، رقم الحدیث: ۳۸٦، ص: ۱۸۹

_الدرر المنتشرة، رقم الحدیث: ۱۹۰

_اللؤلؤ المرصوع: رقم الحدیث: ۱۷۰

''لاأعرفه'' جیسے الفاظ سے حکم لگائے، تو یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل ہوتی ہے، کیونکہ ان جیسے محدثین کا کسی حدیث سے عدمِ واقفیت اس حدیث کے عدمِ وجود کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

حدیث نمبر ۵: ''الناس علی دین ملوکهم''

لوگ اپنے بادشاہوں اور امراء کے دین پر چلتے ہیں یعنی جیسا بادشاہ ہوتا ہے، ویسی ہی رعایا ہوتی ہے۔

یہ حدیث ان مشہور الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، چنانچہ حافظ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ اور علامہ عجلونیؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔(۱)

البتہ یہ حدیث اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے درست ہے اور اس مفہوم کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، چنانچہ امام سخاویؒ نے امام حاکمؒ، امام بیہقیؒ اور امام طبرانیؒ سے اس مفہوم پر مشتمل درج ذیل مرفوع حدیث نقل کی ہے:۔

"کماتکونون، یولیّ علیکم۔"(۲)

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:
_المقاصد الحسنة، رقم الحدیث: ۱۲۳۶، ص: ۴۴۹
_المصنوع، رقم الحدیث: ۳۷۶، ص: ۱۹۸
_کشف الخفاء، رقم الحدیث: ۹۰، ص: ۲/۳۷۳
(۲) المقاصد الحسنة، رقم الحدیث: ۸۳۵، ص: ۳۳۳

یعنی جیسے تم ہوں گے، ایسے ہی تمہارے اوپر بادشاہ اور امراء مسلط ہوں گے۔

نیز اس حدیث کے شواہد و نظائر بھی تاریخ میں بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ مشہور مفسر و مؤرخ علامہ ابن کثیرؒ اپنی شہرہ آفاق تاریخ ''البدایة و النهایة'' میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حالات میں لکھتے ہیں:

''ولید کی زیادہ تر توجہ تعمیراتی کاموں کی طرف تھی۔ (دمشق کی جامع مسجد کا بانی بھی یہی ولید بن عبدالملک تھا) یہی وجہ تھی کہ اس کے عہد خلافت میں جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے ملتا، تو موضوعِ سخن زیادہ تر تعمیراتی کام ہی ہوتا کہ تم نے کون سی عمارت بنائی ہے؟ اور کیا تعمیر کیا ہے؟ جب کہ اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کا اپنے زمانہ خلافت میں زیادہ رجحان عورتوں کی طرف تھا، لہٰذا اس کے دورِ خلافت میں لوگ اپنی مجالس میں ایک دوسرے سے شادیوں کی تعداد اور

باندیوں کے متعلق پوچھتے رہتے۔ جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی رغبت قرآنِ کریم کی تلاوت، نماز اور دیگر عبادات کی طرف تھی، لہٰذا ان کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے سے مختلف اوراد، وظائف، قرآن کریم کی تلاوت اور تہجد وغیرہ کے بارے میں پوچھتے رہتے۔"(۱)

لہٰذا بادشاہ اور امراء کا اثر رعایا پر پڑنا اگرچہ ایک مسلّم امر ہے، تاہم زیرِ بحث الفاظ کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ: ۱۲/۶۰۹

حدیث نمبر ۶ تہمت کی جگہوں سے بچو۔

"إتقوا مواضع التهم۔"

یہ کلام بھی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر زبان زد عام ہے، تاہم یہ آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، چنانچہ حافظ عراقیؒ، علامہ زرقانیؒ اور حافظ عجلونیؒ جیسے ائمہ حدیث اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"لم أجد له أصل"(۱)

اور یہ بات پہلے متعدد مواقع پر ذکر کی جا چکی ہے کہ ان جیسے ائمہ حدیث کا کسی حدیث سے ناواقفیت کا اظہار اس کے موضوع ہونے کے لیے کافی ہے، لہٰذا یہ حدیث موضوع ہے۔ تاہم حضرت عمرؓ سے اس روایت کے مفہوم ومعنی پر مشتمل کلام منقول ہے، چنانچہ ان کا ارشاد ہے:۔

"من عرض نفسه للتهمة فلا يلومنّ من أساء به الظن۔"(۲)

ترجمہ: جو شخص اپنے آپ کو تہمت کی جگہ پر پیش کرے اور پھر کوئی دوسرا شخص اس کے بارے میں بدگمانی کرے، تو وہ شخص اس بدگمانی کرنے

---

(۱) بالترتیب ملاحظہ کریں:۔

_المغني عن حمل الأسفار، رقم الحديث، ۲۶۴۳

_الجد الحثيث، رقم: ۹

_كشف الخفاء، رقم: ۸۸، ص: ۱/۵۸

(۲) الموضوعات الكبرىٰ، رقم: ۱۵۱، ص: ۴۹

والے کو ملامت نہ کرے (بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرے)

لہٰذا ''اتقوا مواضع التهم'' کا معنی و مفہوم اگرچہ درست اور ثابت ہے تاہم اس کو حضور ﷺ کی حدیث کے طور پر بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۷: ''الناس نيام إذا ماتوا إنتبهوا''

ترجمہ: لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب انہیں موت آئے گی تب بیدار ہونگے۔

یہ روایت بھی حضور ﷺ کی حدیث نہیں، بلکہ درحقیقت یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔(۱)

حدیث نمبر ۸: ''موتوا قبل أن تموتوا''

ترجمہ: موت سے پہلے ہی مرجاؤ۔

یعنی حقیقی اور غیر اختیاری موت سے پہلے زندگی میں ہی نفسانی خواہشات

اور شہوات کو ترک کر کے اس طرح زندگی گزارو جیسے ایک فوت ہونے والا شخص ان تمام چیزوں سے لاتعلق ہوجاتا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

"انه لیس بثابت۔"(۲)

---

(۱) ملاحظہ کریں: الدرر المنتشرة، رقم الحدیث:۷ ۴۲

نیز المقاصد الحسنة، رقم الحدیث ۱۲۴۰ ص:۴۵۰

(۲) المصنوع في معرفة الحدیث الموضوع، رقم الحدیث:۳۷۳، ص:۱۹۸

علامہ زرقانیؒ بھی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"لم یثبت"(۱)

یعنی یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

لہٰذا اس روایت کو بطور حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر۹: "الفقر فخری"

میرے لیے فقر، فخر کی چیز ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"إنه باطل موضوع"(۲)

نیز حافظ سخاویؒ بھی لکھتے ہیں کہ یہ روایت آنحضرت ﷺ کی حدیث کی نہیں ہے، بلکہ یہ دراصل عبدالرحمن بن زیاد بن انعمؒ کا کلام ہے۔(۳)

لہٰذا اس کو بطور حدیث بیان کرنا جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۱۰: ”لاتنظروا إلی من قال وانظروا إلی ما قال“

ترجمہ: یہ مت دیکھو کہ بات کون کر رہا ہے؟ بلکہ اس کی بات کی طرف توجہ کرو، کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟

---

(۱) مختصر المقاصد الحسنة، رقم الحدیث، ۱۱۱۰

(۲) الجد الحثیث، رقم الحدیث ۲۶۰

نیز کشف الخفاء، رقم: ۱۸۳۵، ص: ۲/۱۰۲

(۳) المقاصد الحسنة، رقم الحدیث: ۵۴۷، ص: ۳۰۷

یہ روایت بھی اگرچہ مشہور و معروف ہے، تاہم یہ حضور ﷺ کی حدیث نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کلام ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

”ھو من کلام علّي رضي اللہ عنہ“(۱)

لہٰذا بطورِ حدیث اس کو بیان کرنا درست نہیں ہے۔

روایت نمبر ۱۱ اٹھارہ ہزار مخلوقات

یہ روایت بھی عموماً بیانات میں بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل اٹھارہ ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں۔

اٹھارہ ہزار تعداد پر مشتمل یہ روایت درحقیقت مخلوقات کے بارے میں نہیں بلکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سورۃ فاتحہ کی آیت ”ربّ العالمین“ میں عالم کی تعداد ذکر کی ہے اور اس میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے کل عالَم کی تعداد کے بارے میں

متعدد اقوال نقل کیے ہیں ۔ان میں سے ایک قول حضرت وہبؒ سے منقول ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

"وأخرج أبو الشيخ وأبو نعيم في "الحلية" عن وهب قال: ان لله ثمانية عشر ألف عالَم، الدنيا منها عالم واحد"(۲)

---

(۱) بالترتیب دیکھیں:۔

_الدرر المنتشرة، رقم: ۱۶۴

_المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم: ۳۹۷، ص: ۲۰۶

(۲) الدر المنثور في التفسير بالمأثور: ۶۶/۱

یعنی اللہ تعالیٰ نے کل اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے اور یہ پوری دنیا ان میں سے فقط ایک عالَم ہے

لہذا اٹھارہ ہزار کی تعداد عالَمین کی ہے نہ کہ دنیاوی مخلوقات کی، اس لیے کہ پوری دنیا ان اٹھارہ ہزار عالموں میں سے ایک عالَم ہے۔

اس کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ سے ستر ہزار، حضرت ابوسعید خدریؓ سے چالیس ہزار اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے ہزار عالَم کی روایات منقول ہیں۔(۱)

لہذا مخلوقات کی تعداد اٹھارہ ہزار بیان کرنا درست نہیں۔

حدیث نمبر ۱۲ ''ایک گھڑی کا غور وفکر''

"تفكر ساعة خيرٌ من عبادة ستين سنة۔"

ترجمہ: ایک گھڑی کا غور وفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ہمارے ہاں یہ روایت عموماً اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ اللہ کے دین کے

لیے سوچنا، کہ میری زندگی میں اور سارے عالم کے انسانوں کی زندگی میں کیسے دین آجائے۔اس فکر کے لیے ایک گھڑی سوچنا ساٹھ یا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

اس روایت کو علامہ عجلونیؒ اور ملا علی قاریؒ نے بے بنیاد قرار دیا ہے۔(۲) ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ قول دراصل حدیث نہیں ہے بلکہ مشہور بزرگ

---

(۱)تفصیل کے لیے دیکھیں:۔

_خریدہ العجائب وفریدۃ الغرائب:ص ۴۲۲، ۴۲۱

_سراج الدین عمر بن الوردي المتوفی ۸۵۲

(۲)کشف الخفائ:۱/۳۱۰

المصنوع: رقم، ۹۴

حضرت سری سقطیؒ المتوفی ۲۵۳ھ کا مقولہ اوران کا کلام ہے۔(۱)

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندہلویؒ نے فضائلِ ذکر میں غور وفکر کی فضیلت پر مشتمل جو روایات ذکر کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کر کے اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے بارے میں ہے، ہمارے ہاں جو روایت عموماً بیان کی جاتی ہے اس میں دین کے سارے عالم میں پھیلنے کے لیے غور وفکر بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ لکھتے ہیں:۔

''حضرت ابوہریرۃ ؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا تھا پھر کہنے لگا'' خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ تمہارا پیدا کرنے والا بھی کوئی ضرور ہے۔اے اللہ! تو

میری مغفرت فرمادے'' نظر رحمت اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگئی ۔حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کا غور تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔حضرت ابودرداء ؓ اور حضرت انس ؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔حضرت انس ؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک ساعت کا غور ان چیزوں میں (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں) اسّی سال کی عبادت سے افضل ہے۔''(۲)

اس سے آگے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے امام غزالیؒ کے حوالے سے غور وفکر کی مزید تشریح کی ہے۔

---

(۱)المصنوع:رقم، ۹۴

(۲) فضائل ذکر:ص ۵۲

لٰہذا اس روایت کو صحیح بیان کرنے کے لیے یہ کہنا چاہیے کہ مخلوقات الٰہیہ میں غور وفکر کرنا ساٹھ یا اسی سال کی عبادت سے افضل ہے جیسا کہ حضرت انس ؓ کی روایت میں اسّی سال اور حضرت ابو ہریرۃ ؓ کی روایت میں ساٹھ سال کا ذکر ہے۔

روایت نمبر ۱۳ ''حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کا اہل مدینہ کی دعوت کرنا''

یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے تمام مدینہ والوں کی دعوت کی ۔تمام لوگ ان کی دعوت میں شریک ہوئے ،آپ ﷺ نے ایک صحابی ؓ کو مسجد نبوی میں سوچ وبچار میں مصروف دیکھا تو آپ ﷺ نے اس

صحابیؓ سے پوچھا کہ تم کیوں حضرت عبدالرحمنؓ کی دعوت میں شریک نہیں ہوئے؟ اور یہاں کس سوچ میں پڑے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس بات کے لیے متفکر ہوں کہ کیسے ساری دنیا کے انسان جہنم کی آگ سے بچ جائے اور جنت والے بن جائیں۔آپ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا کہ تمہارا ایک گھڑی کے لیے یہ سوچ وفکر کرنے کا اتنا اجر ہے کہ عبدالرحمنؓ ایسی ہزار دعوتیں بھی کرلیں تو تمہارے اس اجر کو نہیں پہنچ سکتے۔

یہ قصہ بھی کتبِ حدیث میں تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔متعدد اہلِ علم حضرات سے پوچھنے پر انہوں نے بھی اس قصے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے جود وسخا کے قصے لاتعداد ہیں حتیٰ کہ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ تمام مدینہ منورہ والے ان کے مال میں ان کے ساتھ شریک ہیں لیکن خاص اس قسم کے واقعے کا ثبوت نہ مل سکا۔

یہ چند مشہور روایات تھی جن پر جلیل القدر اور اہلِ تحقیق محدثین حضرات کے اقوال کی روشنی میں مختصراً کلام کیا گیا اور مقصود اس سے آنحضرت ﷺ کی احادیث کی تنقیح ہے تاکہ جو باتیں آپ ﷺ کی طرف غلط منسوب ہیں، اور عوام وخواص میں بطورِ حدیث سنی سنائی جاتی ہیں، جب کہ وہ درحقیقت آپ ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں، ان کو بطورِ حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ میری اس مختصر سی کوشش میں اخلاص عطا فرمائے اور اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور میرے لیے نیز میرے اساتذہ کرام اور والدین کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ بنائے۔

علامہ ابن الجوزیؒ کے دعائیہ الفاظ پر اس کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

''اللھمّ لا تعذّب لسانًا یخبر عنک و لا عیناً تنظر إلٰی علوم تدل علیک و لا قدماً تمشي إلٰی خدمتک، و لا یداً تکتب حدیث رسولک، فبعزتک لا تدخلني النار، فقد علم أھلھا أني کنت أذب عن دینک۔ اللھمّ آمین''

عرض مؤلف اور وجہ تالیف

کتاب کے بارے میں چند وضاحتیں

سند حدیث

فضائل میں ضعیف اَحادیث حدیث

ضعیف احادیث بیان کرنے کے جواز کی شرائط

''سند حدیث'' اسلام کا تمغہ امتیاز

فضائل میں ضعیف احادیث بیان کرنے کا حکم

ضعیف احادیث بیان کرنے کی شرائط

حدیث موضوع کی تعریف
حدیث موضوع کی علامات
موضوع احادیث کو روایت کرنے کا حکم
حدیث گھڑنے کے اسباب
(ا) حدیث موضوع کی تعریف
(ب) حدیثِ موضوع کی علامات
فصل سوم
موضوع احادیث بیان کرنے کا حکم
کسی حدیث کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا شک ہونا
فصل چہارم
حدیث گھڑنے کے اسباب
(ا) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق موضوع روایات
(ب) انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق موضوع روایات
(ج) ملائکہ سے متعلق موضوع روایات
(د) قیامت سے متعلق موضوع روایات
فصل اول : اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق موضوع روایات
حدیث نمبر ا: "کن فیکون"
حدیث نمبر ۲: اپنے نفس کی پہچان سے رب کی پہچان

حدیث نمبر ۳: حدیث قدسی

حدیث نمبر ۴: اللہ تعالیٰ کا مؤمن بندے کے دل میں سما جانا

فصل دوم: انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق روایات

حدیث نمبر ۱: حدیث قدسی

حدیث نمبر ۲: ''ہر نبی کو چالیس برس میں نبوت ملنا''

حدیث نمبر ۳: عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے آپ ﷺ کو دیئے گئے

حدیث نمبر ۴: بچے کا نام محمد (ﷺ) رکھنے کی نیت کرنے سے لڑکے کا پیدا ہونا

فائدہ

حدیث نمبر ۵: ''اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب کون ہے؟''

حدیث نمبر ۶: ''حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی روایات''

حدیث نمبر ۷: ''حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مٹی کے کھلونے بنانے اور بعد ازاں توڑنے کا حکم دینا''

حدیث نمبر ۱: ''فرشتوں کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مشابہت میں ٹاٹ کا لباس پہننا''

حدیث نمبر ۲: ''فرشتے کی دو پلکوں کے مابین پانچ سو سال کی مسافت''

حدیث نمبر ۳:'' لا الہ الا اللہ'' پڑھنے سے ایک عجیب الخلقت فرشتے کا پیدا ہونا

حدیث نمبر ا : ''قیامت کے دن ایک عورت کی وجہ سے چار آدمیوں کا جہنم میں جانا''

علم وعلماء سے متعلق موضوع روایات

(ا) علم کے بارے میں موضوع روایات

(ب) علماء سے متعلق موضوع روایات

حدیث نمبر ا: ''أطلبوا العلم من المهد الی اللحد''

حدیث نمبر ا: ''اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں''

حدیث نمبر ۲: عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا

حدیث نمبر ۳: ''عالم کی نیند بھی عبادت ہے۔''

حدیث نمبر ۴: جنت میں بھی لوگوں کو علماء کی ضرورت ہوگی۔

حدیث نمبر ۵: جس نے کسی عالم کی زیارت کی اس نے حضور ﷺ کی زیارت۔

حدیث نمبر ۶: علماء کے علاوہ سب لوگ مردہ ہیں۔

حدیث نمبر ۷: چالیس دن تک عذاب کا رفع ہوجانا نماز

حدیث نمبر ا: حضرت بلال ؓ کا اذان میں ''أشهد'' کی جگہ ''أسهد'' (سین کے ساتھ) پڑھنا

حدیث نمبر ۲ : سیدنا بلال ؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے سورج طلوع نہ ہونا

فائدہ

حدیث نمبر ۳: ''فجر کی اذان میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کے جواب میں ''صدقت و بررت'' کہنا

حدیث نمبر ۴: اذان کے بعد والی دعا میں ''الدرجة الرفیعة'' کے الفاظ

حدیث نمبر ا: مسجد میں باتیں کرنے سے نیکیوں کا ختم ہونا

حدیث نمبر ۲: مؤمن میں مسجد میں ایسے خوش ہوتا ہے، جیسے تالاب میں مچھلی۔

فصل سوم: نماز کے بارے میں موضوع روایات

حدیث نمبر ا: نماز مؤمن کی معراج ہے۔

حدیث نمبر ۲: قضاءِ عمری کی روایت

حدیث نمبر ۳: ''دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنے اور اس کے بعد دعا کرنے کی فضیلت''

حدیث نمبر ۴: استخارہ کے بارے میں روایت

حدیث نمبر ا: مسلمان کو خوش کرنے کی فضیلت

حدیث نمبر ۲: مسلمان کے جوٹھے میں شِفاء ہے۔

حدیث نمبر ۳: ناخن کاٹنے کا کوئی خاص مسنون طریقہ ثابت نہیں

۔

حدیث نمبر ا: "من استویٰ یوماہ فھو مغبون"

حدیث نمبر ۲: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

حدیث نمبر ۳: دنیا کی مذمت

حدیث نمبر ۴: وطن سے محبت ایمان کی علامت ہے۔

حدیث نمبر ۵: "الناس علی دین ملوکھم"

حدیث نمبر ٦: تہمت کی جگہوں سے بچو۔

حدیث نمبر ۷: "الناس نیام إذا ماتوا إنتبھوا"

حدیث نمبر ۸: "موتوا قبل أن تموتوا"

حدیث نمبر ۹: "الفقر فخری"

حدیث نمبر ۱۰ " لاتنظروا إلى من قال و انظروا إلى ما قال"

مصادر ومراجع

۱۔ الآداب الشرعیة، عبداللہ محمد بن مفلح المقدسي، المتوفیٰ ۷٦۳ھ تحقیق شعیب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، بیروت

۲۔ الآثار المرفوعة، محمد عبد الحيّ اللکھنوي، اِدارة القرآن والعلوم الاسلامیه، کراچی

۳:۔ الأجوبة الفاضله، محمد عبدالحّي اللکھنوي، اِدارة القرآن و العلوم

الاسلامیہ، کراچی

۴:۔أحسن الفتاوی، مفتي رشید احمد لدھیانوي، ایچ۔ایم سعید، کراچی

۵:۔ إقتضاء العلم العمل، ابوبکر أحمد بن علي الخطیب البغدادي، المتوفی ۴۶۲ھ، المکتبۃ الاسلامي، بیروت

۶:۔امداد الفتاویٰ، أشرف علي التھانوي، مکتبہ دار العلوم، کراچی

۷:۔ أصول التخریج ودراسة الأسانید، محمود الطحان، مکتبة البشریٰ، کراچی

۸:۔الإسرائیلیات وأثرھا فی کتب الحدیث، مزینعناعہ، دار الضیائ، بیروت

۹:۔آن لائن دار الافتاء دار العلوم دیوبند

۱۰:۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطھار، محمد باقر مجلسي، دار إحیاء التراث، بیروت

۱۱:۔ألبدایہ والنھایة، أبوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقي القرشي، المتوفی ۷۷۴ھ
تحقیق، عبداللہ بن عبدالمحسن الترکي، دار ھجر

۱۲:۔ بذل المجھود في حل سنن أبي داود، خلیل احمد سھار نپور ی، المتوفی ۱۳۴۶ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت

۱۳:۔تحقیق المقال في تخریج أحادیث فضائل الأعمال، لطیف الرحمٰن البھرائجي القاسمي، مکتبة الحرمین، دبئی

۱۴: تقریب النووي، أبوزکریا یحییٰ بن شرف النووي، المتوفی ۶۷۶ھ، مکتبة الفریدیہ، اسلام آباد

۱۵۔تدریب الراوي ،جلال الدین عبدالرحمن بن أبی بکر السیوطي، المتوفی، ۹۱۱ھ، المکتب الاسلامی، بیروت

۱۶۔تحذیر الخواص من أکاذیب القصاص، جلال الدین السیوطي، المکتب الاسلامی، بیروت، تحقیق، محمد بن لطفي الصباغ

۱۷۔تنزیه الشریعة المرفوعة عن الشنیعة الموضوعة، علیبن محمد ابن عراق الکنانیالشافعي، المتوفی ۹۶۳ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت۔

۱۸۔تفسیر المراغي، أحمد مصطفیٰ المراغي، مطبعة مصطفیٰ البابي، مصر

۱۹ :۔ تاریخ الخلفاءؒ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطي علیہ الرحمۃ، المتوفی ۹۱۱ھ، دار ابن حسن

۲۰۔التلخیص الحبیر في تخریج أحادیث الرافعي الکبیر، شهاب الدین أحمد بن علیبن محمد بن حجر العسقلاني، مؤسسة القرطبة

۲۱۔تقریرات الرافعي علی ردالمحتار ، عبدالقادر الرافعي، المتوفیٰ ۱۳۲۳ھ، مکتبه سبحانیه، کوئٹه

۲۲۔التعلیق علی بذل المجهود، محمد زکریا کاندهلوی علیہ الرحمۃ، دار الکتب العلمیه بیروت

۲۳۔تهذیب التهذیب، أحمد بن علی محمد بن حجر العسقلا نی علیہ الرحمۃ، دار الکتب العلمیة بیروت

۲۴۔الجامع لأحکام القرآن، محمد بن أحمد أبي بکر القرطبي علیہ الرحمۃ، مؤسسة الرسالة

۲۵۔ الجدالحثیث فیبیان ما لیس بحدیث ،أحمد بن عبد الکریم

العامريالعزي، دار الراية، رياض
٢٦۔ الحظ الأوفرفي الحج الأكبر ، علي بن سلطان محمد الملا عليالقارى الهروي، المتوفي۱۰۱۴ھ، المكتبةالأزهريه
٢٧۔خير الفتاوى، مجموعةمن العلمائ، مكتبهامداديه، ملتان۔
٢٨۔خريدة العجائب وفريدة الغرائب، سراج الدين عمربن الورديالبكريالقرشي، المتوفى
٨٥٢ھ تحقيق انور محمود زناتي، مكتبةالثقافةالدينيه، القاهرة
٢٩۔درس ترمذي، محمدتقي عثماني، مكتبهدار العلوم، كراچی
٣٠۔ الدرر المنتثرة فی الأحاديث المشتهرة، جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبيبكر السيوطي، المتوفى ٩١١ھ، مكتبةعمادةشئوون المكتبات، السعودية
٣١۔ الدرالمختار، علاء الدين محمد بن عليالحصكفي، مكتبه سبحانيه، كوئٹه
٣٢۔الدر المنثور فيالتفسير بالمأثور، جلال الدين السيوطي رحمہ اللہ، تحقيق عبد اللّٰہ بن عبدالمحسن التركي، مركز هجر للبحوث والدراسات الاسلاميه
٣٣۔ذيل اللاآليالمصنوعة، جلال الدين السيوطي رحمہ اللہ، المطبع العلوي
٣٤۔ ذيل الموضوعات المعروف ب تعقبات السيوطي على موضوعاتِ ابن الجوزی، رحمہ اللہ جلال الدين السيوطي رحمہ اللہ
٣٥۔ روح المعانيفيتفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، السيد محمد آلوسيالبغدادي رحمہ اللہ، المتوفى ١٢٧٠ھ، داراحياالتراث العربي، بيروت
٣٦۔ ردالمحتار، محمد أمين بن عمر المدعوبإبن عابدين الشامي، مكتبة

سبحانية، کوئٹہ

۳۷:۔ سنن ابن ماجه،محمد بن يزيد بن ماجةالقزويني،المتوفی۲۷۳ھ، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۸۔ شرح المسلم، أبوزکریا یحییٰ بن شرف النووي،المتوفی۲۷٦ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۳۹۔ صحیح مسلم علیہ الرحمۃ ، أبوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوري،المتوفی ۲٦١ھ،قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۰۔ضرب مومن،ھفت روزہ، کراچی

۴۱۔ طبقات الشافعية الكبرىٰ ،أبونصر عبد الوهاب بن عليبن عبد الكافي السبكي،بيروت

۴۲۔ علوم الحديث،عثمان بن عبدالرحمٰن،تقیالدین ابن الصلاح ،المتوفیٰ ۶۴۳ھ،تحقیق نورالدین عتر، دارالفکر،بیروت

۴۳۔عمدة القاري، بدر الدين أبومحمد محمود بن أحمد العيني،المتوفی۸۵۵ھ،دارالکتب العلمية،بيروت

۴۴۔ غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب، محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي،المتوفی۱۱۸۸ھ،مؤسسةالقرطبة

۴۵۔فتح الملهم،شبیرأحمدعثماني علیہ الرحمۃ،مکتبہ دارالعلوم، کراچی

۴٦۔ فتح المغيث بشر ح ألفيةالحديث ،محمد بن عبدالرحمٰن السخاوي الشافعي،المتوفی۹۵۲ھ،مکتبہ دارالمنهاج،رياض

۴۷۔ الفوائد المجموعة فيالأحاديث الضعيفة والموضوعة،محمد بن علي

الشوكاني، تحقيق، رضوان جامع رضوان، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز

۴۸۔ فتاویٰ عزیزي، شاه عبدالعزیز محدّث دهلوي، ایچ۔ایم۔سعید کمپنی، کراچی

۴۹ ۔ فتح الباري، أحمد بن على بن محمد بن حجر العسقلاني رحمه الله، مكتبة الملک فهد

۵۰۔ فتاویٰ حقانیة، مجموعة من العلمائ، دار العلوم حقانیة، اکوڑه خٹک

۵۱۔ فضائل ذکر، محمد زکریا کاندهلوی رحمه الله، کتب خانه فیضی، لاهور

۵۲۔ قیمة الزمن عند العلماء، عبد الفتاح أبو غدة، المتوفی ۱۴۱۷ھ، مکتب المطبوعات الاسلامیة

۵۳۔ الكفاية في أصول السماع والرواية، أبو بكر أحمد بن على بن ثابت الخطیب البغدادی، المتوفی ۴۶۳ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت

۵۴۔ کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتهر من الأحادیث علی ألسنة الناس، اسماعیل بن محمد العجلوني الجراحي، المتوفی ۱۱۶۲ھ، تحقیق یوسف بن محمود الحاج أحمد، مکتبه العلم الحدیث

۵۵۔ کتاب الموضوعات من الأحادیث المرفوعات، أبو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزی رحمه الله، تحقیق نور الدین بن شکري، مکتبة أضواء السلف، ریاض

۵۶۔ اللؤلؤ المرصوع فیما لا أصل له أو بأصله موضوع، أبو المحاسن محمد بن خلیل القاوقجیالطربلسي، المتوفی ۱۳۰۵ھ، تحقیق، فؤاد أحمد، دار البشائر الاسلامیة

۵۷۔ اللآلي المصنوعة في الأحادیث الموضوعة، جلال الدین السیوطي رحمه الله،

المتوفی ۹۱۱ھ،دار المعرفۃ،بیروت

۵۸۔ الموضوعات الکبریٰ، علی بن سلطان الملاعلیی القاری الهروي المکی علیہ الرحمۃ،تحقیق،محمدالسعیدزغلول،قدیمی کتب خانہ،کراچی

۵۹۔ المنار المنیف في الصحیح و الضعیف،شمس الدین أبوعبداللہ محمد بن أبوبکر الحنبلی علیہ الرحمۃ المعروف بابن قیم الجوزیّۃ،المتوفی ۷۵۱ھ،تحقیق عبدالفتاح أبوغدّۃ،دار الکتاب،پشاور

۶۰۔مسندأحمد،أبوعبداللہ أحمدبن محمدبن حنبل علیہ الرحمۃ المتوفی ۲۴۱

تحقیق شعیب الأرنؤوط،مؤسسۃ الرسالۃ

۶۱۔المقاصدالحسنۃفي بیان کثیر من الأحادیث المشتھرۃعلی الألسنۃ، محمدبن عبدالرحمٰن السخاوي الشافعي علیہ الرحمۃ،المتوفی ۹۰۲ھ

تحقیق،محمدعثمان الخشت،مکتبۃالنوریۃالرضویۃ،لاھور

۶۲۔ المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین ،محمد بن حبان أحمد أبی حاتم التمیمي البستي ،تحقیق محمود ابراھیم زاید ،دار المعرفۃ ، بیروت

۶۳۔المصنوع في معرفۃ الحدیث الموضوع ،علیبن سلطان القاري الھروي المکي،تحقیق عبدالفتاح أبوغدّۃ،ایچ۔ایم۔سعیداینڈ کمپنی،کراچی

۶۴۔معارف القرآن،مفتی محمدشفیع عثمانی علیہ الرحمۃ،ادارۃالمعارف،کراچی

۶۵۔ المستدرک علی الصحیحین،أبو عبد اللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری،دار المعرفۃ،بیروت

۶۶۔ مختصر إستدراک الحافظ الذھبی علیہ الرحمۃ ،عمر بن علیبن أحمد

الأنصاريالمعروف بابن الملقن، المتوفى ۸۰۴ھ، دار العاصمة، رياض
۶۷۔مرقاة المفاتيح، علي بن سلطان ملاعلي القاري الهروي المكي ،مكتبة رشيدية، كوئٹه
۶۸۔ المغني عن حمل الأسفار فى الأسفار في تخريج ما فيالإحياء من الأخبار، زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقي، مكتبة طبرية، رياض
۶۹۔مختصر المقاصد الحسنة، محمد بن عبد الباقي الزرقاني علیہ الرحمۃ، المكتب الاسلامي، بيروت
۷۰۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،نور الدين عليبن أبو بكر هيثمي علیہ الرحمۃ ،المتوفى۸۰۷ھ،دار الفكر ،بيروت
۷۱۔ مصنف عبدالرزاق،أبوبكر عبدالرزاق بن همام الصنعاني، المتوفى ۲۱۱ھ،المجلس العلمي ڈابھیل، هندوستان